

اس شمارے میں

حرف اول

2

حافظ محمد زیر

اجتماعی اجتہاد

بیان القرآن

3

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ البقرۃ (آیات ۱۸۹ تا ۲۱۰)

فهم القرآن

23

لف الرحمن خان

ترجمہ قرآن مجید، مع صرفی و نحوی تشریع

حکمت نبوی ﷺ

37

پروفیسر محمد یوسف جنگووہ

تکبر کا انعام

علوم القرآن

41

حافظ محمد زیر

قرآن میں حذف اور اس کی اقسام (۲)

علوم و فنون

50

مرزا عمران حیدر

اسلام اور فن تغیر (۲)

کتاب نما

64

پروفیسر محمد یوسف جنگووہ

تعارف و تبصرہ کتب

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةً فَقَدْ أُوتَهُ
خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرة: ٢٤٩)

قرآن اکٹھن
27/07/2017 *

لے کے ماڈل

لاہور

ماہنامہ

قرآن

حافظ عالم الفاضل - راولپنڈی

پروپرٹی مالٹی مڈیا سسٹمز انہی - پرنسپل مالٹی مڈیا سسٹمز انہی

جلد ۲۷ ہادی الخی ۱۴۲۸ھ - جولائی ۲۰۱۷ء شمارہ ۲۷

لے کے انتیہات

مرکزی اجمن خدام القرآن لاہور

36 کے ناڈل ناکن لاہور۔ فون: 3-5869501

publications@tanzeem.org

www.tanzeem.org ویب سائٹ:

سالانہ ریتھاون: 100 روپے، فی شمارہ: 10 روپے

انٹریا: 700 روپے۔ ایشیا یورپ افریقہ: 1100 روپے۔ امریکہ، یونیڈ آئرلینڈ: 1400 روپے

اجتماعی اجتہاد

”اجتہاد“ عصر حاضر میں زیر بحث آنے والے اہم موضوعات میں سے ایک ہے اور یہ دین کی تبیر کے حوالے سے علماء اور متجددین کے مابین تکالیف کا ایک وسیع میدان ہے۔ اس پر دونوں طرف سے بہت سچے لکھا گیا ہے، لکھا جا رہا ہے اور لکھا جاتا رہے گا اور جب تک قدیم و جدید کی بحث جاری رہے گی یہ موضوع بھی تازہ رہے گا۔ اجتہاد کے حوالے سے اس وقت و نقطہ نظر پائے جانتے ہیں۔ ایک یہ کہ دین کے معاملات میں جتنا اجتہاد ضروری تھا وہ ہمارے فقهاء نے کر لیا ہے اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی، عصر حاضر میں اس کا دروازہ کھولنے سے دین کے احکام و مسائل کے حوالے سے نت نے قتوں کا دروازہ کھل جائے گا اور اسلامی شریعت کا وہ ڈھانچہ جو چودہ صدیوں سے اجتماعی طور پر چلا رہا ہے، سچھ ہو کر رہ جائے گا، اس لیے اجتہاد کا نام بھی نہ لیا جائے، اجتہاد کی بات کرنے والوں کی حوصلہ لٹکنی کی جائے اور اجتہاد کے عنوان سے کوئی بات نہیں جائے۔ یہ نقطہ نظر قدیم علماء کا ہے۔ جبکہ دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ اجتہاد آج کے درکی سب سے بڑی ضرورت ہے، یہ وقت کا تقاضا ہے، ہر سکے میں اور ہر سطح پر اجتہاد ہونا چاہیے اور اجتہاد کے نام پر دین کے پورے ڈھانچے کو تبدیل کر کے اسلام کو ایک نئے انداز میں پیش کیا جانا چاہیے اور خاص طور پر جدید مسائل و مشکلات کا اجتہاد کی روشنی میں حل نکالا جانا چاہیے تا کہ جدید عالمی فکر اور اسلام میں ہم آہنگ پیدا کی جاسکے۔

یہ دونوں گروہ اپنی اپنی جگہ مضبوطی سے کھڑے ہیں اور اپنے دائرہ فکر سے ہٹ کر کوئی بات سننے کے روادار نہیں ہیں۔ پہلے نقطہ نظر کے حاملین کا کہنا یہ ہے کہ اسلام کے خلاف مغرب کی صدیوں سے جاری علمی و فکری جنگ کے ایجمنٹے میں یہ بات شامل ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کی حقیقت صورت سے محروم کر کے برائے نام مسلمان بنایا جائے اور اس طرح اسلام کے ایک معلم ضابطہ حیات اور نظامِ زندگی کے طور پر دوبارہ اُبھرنے کے امکانات کو روکا جائے۔ اس لیے اجتہاد کی کوئی بات اس ماحول میں قبول نہ کی جائے اور ایسی ہر کوشش کو مغرب کی معاونت سمجھ کر ردا کر دیا جائے۔ دوسرا نقطہ نظر کے قائمین کا موقف ہے کہ اگر اسلام کو تحفظات کے دائرے سے نکل کر آج کی عالمی دنیا میں آگے بڑھنا ہے اور اسے دنیا کی دوسری اقوام کے سامنے پیش کرنا ہے تو عصر حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اس کی تکمیل جدید ضروری ہے۔

اگر بنظر غائِ پُر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ دونوں موقف اجتہاد پسندانہ ہیں۔ اعتدال اور تو ازان کی راہ یہ ہے کہ اجتہاد کے اصول و ضوابط، طریق کار اور اس کی الہیت و صلاحیت کا تعین قروں اولیٰ میں ہو چکا ہے اور تابعین و تبع تابعین کے دور میں بیسوں فقہاء کے کرام نے اجتہاد کے اصول اور معیارات مقرر کیے ہیں۔ ان اصولوں میں نظر ثانی یا ان میں کسی نئے مطلب فکر کے اضافے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ جہاں تک اجتہاد کے عملی پہلو کا تعلق ہے، یعنی معتقد میں فقہاء کے ان اصولوں کی روشنی میں ہر درمیں پیش آمدہ مسائل پر شرعی رہنمائی تو اس اجتہاد کا انکار کسی بھی معروف فقیہی مکتب فکر کے علماء نہیں کیا۔ اجتہاد کی ایک شکل اجتماعی اجتہاد کی بھی ہے جس پر آئندہ شمارے میں ان شاء اللہ، گفتگو ہوگی۔

سورة البقرة

آيات ١٨٩ تا ١٩٦

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِعُ النَّاسِ وَالْحَجَّ وَلَيْسَ
الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا بِالْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مِنْ إِنْ تَنْقِيَ: وَاتَّوَا
الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٠﴾ وَقَاتَلُوا فِي
سَبِيلِ اللَّهِ الدِّينِ يُقاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
الْمُعَدِّيْنَ ﴿٢١﴾ وَاقْتُلُوهُمْ حَتَّىٰ تَقْفِتُمُوهُمْ وَآخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ
آخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ القُتْلِ: وَلَا تُقْتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقْتِلُوكُمْ فِيهَا فَإِنْ قُتِلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ
الْكُفَّارِينَ ﴿٢٢﴾ فَإِنْ اتَّهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَقِتْلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا
تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونُ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ اتَّهَوْا فَلَا عُدُوانَ إِلَّا عَلَىٰ
الظَّالِمِينَ ﴿٢٤﴾ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ قَصَاصٌ
فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا
اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٢٥﴾ وَانْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تَلْفُوا
بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلِكَةِ وَاحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٦﴾
وَاتَّمُوا الْحَجَّ وَالْعُمَرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أَحْصَرْتُمْ فَمَا أَسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدَىٰ:
وَلَا تَحْلِقُوا رُؤُسَكُمْ حَتَّىٰ يَلْعَغُ الْهَدَىٰ مَحِلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ

مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذْى مِنْ رَأْسِهِ فَقِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٌ أَوْ نُسُكٌ
فَإِذَا أَمْتَمْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجَّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهُدَىِ
فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ ثَلَاثَةُ أَيَّامٌ فِي الْحَجَّ وَسَبْعَةٌ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ
عَشَرَةً كَامِلَةً ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٨٩﴾

آیت ۱۸۹ «يَسْتَلُونَكَ عَنِ الْأَهْلَةِ» (۱۸۹ آیت نبی ﷺ) یا پے سے پوچھ رہے
ہیں چاند کی گھنٹی بڑھتی صورتوں کے بارے میں۔“
«قُلْ هَيْ مَوَاقِعُ النَّاسِ وَالْحَجَّ» ”کہہ دیجیے یہ لوگوں کے لیے اوقات کا
تعین ہے اور حج کے لیے ہے۔“

یہ اللہ تعالیٰ نے ایک کیلنڈر لٹکا دیا ہے۔ ہلاں کو دیکھ کر معلوم ہو گیا کہ چاند کی پہلی تاریخ
ہو گئی۔ کچھ دنوں کے بعد نصف چاند دیکھ کر پتا چل گیا کہ اب ایک ہفتہ گزر گیا ہے۔ دو ہفتہ ہو
گئے تو پورا چاند ہو گیا۔ اب اس نے گھنٹا شروع کیا۔ تو یہ نظام گویا لوگوں کے لیے اوقات کا رک
تعین کے لیے ہے اور اس ضمن میں خاص طور پر سب سے اہم معاملہ حج کا ہے۔ یہ نوٹ کیجیے کہ
صوم کے بعد حج اور حج کے ساتھ ہی قال کا ذکر آ رہا ہے۔ اس لیے کہ ”حج“ وہ عبادت ہے جو
ایک خاص جگہ پر ہو سکتی ہے۔ نماز اور روزہ ہر جگہ ہو سکتے ہیں؛ زکوٰۃ ہر جگہ وہی جا سکتی ہے، لیکن
”حج“ تو مکہ کرمہ ہی میں ہو گا، اور وہ مشرکین کے زیر تسلط تھا اور اسے مشرکین کے تسلط سے
نکالنے کے لیے قال لازم تھا۔ قال کے لیے پہلے صبر کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ پہلے
روزے کا حکم دیا گیا کہ جیسے اپنے گھوڑوں کو روزہ رکھواتے تھے ایسے ہی خود روزہ رکھو۔ سورہ
البقرۃ میں صوم حج اور قال کے احکام کے درمیان یہ ترتیب اور ربط ہے۔
﴿وَلَئِسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُوُبُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلِكَنَّ الْبِرَّ مَنْ أَنْفَقَ﴾ ”اور
یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے داخل ہو، بلکہ نیکی تو اس کی
ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا۔“

اہل عرب ایام جاہلیت میں بھی حج توکر رہے تھے، مناسک حج کی کچھ بیڑی ہوئی شکلیں
بھی موجود تھیں؛ اور اس کے ساتھ انہوں نے کچھ بدعاں و رسم کا اضافہ بھی کر لیا تھا۔ ان میں

سے ایک بدعت یہ تھی کہ جب وہ احرام باندھ کر گھر سے نکل پڑتے تو اس کے بعد اگر انہیں گھروں میں داخل ہونے کی ضرورت پیش آتی تو گھروں کے دروازوں سے داخل نہ ہوتے بلکہ پچھواڑ سے دیوار پھلاند کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ برائقوئی ہے۔ فرمایا یہ سرے سے کوئی نیکی کی بات نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کے پچھواڑوں سے داخل ہو، بلکہ اصل نیکی تو اس کی نیکی ہے جو تقویٰ کی روشن اختیار کرے اور حدودِ اللہ کا احترام ملاحظہ رکھے۔ یہاں پوری "آیت البر" کو ذہن میں رکھ لیجیے جس کے آخر میں الفاظ آتے تھے: «وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ يَهُ» چنانچہ آیت زیرِ مطالعہ میں «وَلَكُنَّ الْبَرَّ مَنِ اتَّقَى» کے الفاظ میں نیکی کا وہ پورا تصور مضرب ہے جو آیت البر میں بیان ہو چکا ہے۔

«وَأَتُوا الْبِيُوتَ مِنْ أَبُوَابِهَا» اور گھروں میں داخل ہو ان کے دروازوں سے۔

آیت ۱۹۰ «وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ» "اور اللہ کا تقویٰ اختیار کروتا کہ تم فلاح پاؤ۔"

آیت ۱۹۰ «وَقَاتَلُوْا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقاتِلُونَكُمْ» "اور قال کرو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے قال کر رہے ہیں،"

لیجیے قال کا حکم آ گیا۔ سورۃ البقرۃ کے نصف ثانی کے مضمون کی جو چار لڑیاں میں نے گنوائی تھیں۔ یعنی عبادات، معاملات، اتفاق اور قال۔ یہاں میں سے چوتھی لڑی ہے۔ فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ان سے قال کرو جو تم سے قال کر رہے ہیں۔

«وَلَا تَعَدُوا» "لیکن حد سے تجاوز نہ کرو۔"

آیت ۱۹۱ «إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِلِينَ» "بے شک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

آیت ۱۹۱ «وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ» "اور انہیں قتل کرو جہاں کہیں بھی انہیں پاؤ۔"

آیت ۱۹۱ «وَآخِرُ جُوْهُمْ مِنْ حَيْثُ آخِرَ جُوْهُمْ» "اور نکالو ان کو وہاں سے جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے۔"

مہاجرین مکملہ سے نکالے گئے تھے وہاں پر محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی اہل ایمان پر قافیہ حیات بندگ کر دیا گیا تھا۔ تبھی تو آپ نے ہجرت کی۔ اب حکم دیا جا رہا ہے کہ نکالو انہیں وہاں سے جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے۔

﴿وَالْفُتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقُتْلِ﴾ ”اور فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔“

کفار و مشرکین سے قتال کے ضمن میں کہیں یہ خیال نہ آئے کہ قتل اور خوزیری بری بات ہے۔ یاد رکھو کہ فتنہ اس سے بھی زیادہ بری بات ہے۔ فتنہ کیا ہے؟ ایسے حالات جن میں انسان خدا کے واحد کی بندگی نہ کر سکے اسے غلط کاموں پر مجبور کیا جائے وہ حرام خوری پر مجبور ہو گیا ہو یہ سارے حالات فتنہ ہیں۔ تو واضح ہے کہ قتل اور خوزیری اتنی بری نہیں ہے جتنی فتنہ ہے۔

﴿وَلَا تُقْتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقْتِلُوهُمْ فِيهِ﴾ ”ہاں مسجد حرام کے پاس (جسے امن کی جگہ بنادیا گیا ہے) اُن سے جنگ مت کرو جب تک وہ تم سے اس میں جنگ نہ چھیڑیں۔“

﴿فَإِنْ قُتِلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ﴾ ”پھر اگر وہ تم سے جنگ کریں تو ان کو قتل کرو۔“

﴿كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكُفَّارِ﴾ ”یہی بدله ہے کافروں کا۔“

آیت ۱۹۲ **﴿فَإِنْ انتَهُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾** ”پھر اگر وہ بازا آ جائیں تو یقیناً اللہ بخشنے والا بہت مہربان ہے۔“

آیت ۱۹۳ **﴿وَقِتْلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونُ الَّذِينَ لِلَّهِ﴾** ”اور لڑوان سے یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کا ہو جائے۔“

﴿فَإِنْ انتَهُوا فَلَا عُذْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ ”پھر اگر وہ بازا آ جائیں تو کوئی زیادتی جائز نہیں ہے مگر ظالموں پر۔“

دعوتِ محمد ﷺ کے ضمن میں اب یہ جنگ کا مرحلہ شروع ہو گیا ہے۔ مسلمانوں جان لڑاکی کا دورہ تھا کہ بارہ تیرہ برس تک تمہیں حکم تھا («كُفُوا إِذِ يَكُمْ») ”اپنے ہاتھ باندھ رکھو!“ ماریں کھاؤ لیکن ہاتھ مت اٹھانا۔ اب تمہاری دعوت اور تحریک نئے دور میں داخل ہو گئی ہے۔ اب جب تمہاری تکواریں نیام سے باہر آگئی ہیں تو یہ نیام میں نہ جائیں جب تک کہ فتنہ بالکل ختم نہ ہو جائے اور دین اللہ ہی کے لیے ہو جائے اللہ کا دین قائم ہو جائے پوری زندگی

میں اس کے احکام کی تخفیف ہو رہی ہو۔ آیت دو بارہ سورۃ الانفال میں زیادہ تکھری ہوئی شان کے ساتھ آئی ہے: «وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونُ فِتْنَةٌ وَيَكُونُ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ» (آیت ۳۹) ”اور جنگ کرو ان سے یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین گل کا کل اللہ کے لیے ہو جائے“۔ دین کی بالادتی جزوی طور پر نہیں بلکہ کلی طور پر پوری انسانی زندگی پر قائم ہو جائے، انفرادی زندگی پر بھی اور اجتماعی زندگی پر بھی۔ اور اجتماعی زندگی کے بھی سارے پہلو (Politico-Socio-Economic System) کلی طور پر اللہ کے احکام کے تابع ہوں۔

آیت ۱۹۲ (الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ) ”حرمت والامہیدہ بدله ہے حرمت والے مہینے کا“

«وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ» ”اور حرمتات کے اندر بھی بدله ہے۔“

یعنی اگر انہوں نے اشهر حرم کی بے حرمتی کی ہے تو اس کے بدله میں یہ نہیں ہو گا کہ ہم تو ہاتھ پر ہاتھ پاندھ کر کھڑے رہیں کہ یہ تو اشهر حرم ہیں۔ حدود حرم اور اشهر حرم کی حرمت اہل عرب کے ہاں مسلم تھی۔ ان کے ہاں یہ طے تھا کہ ان چار مہینوں میں کوئی خوزیری، کوئی جنگ نہیں ہو گی۔ یہاں تک کہ کوئی اپنے باپ کے قاتل کو پالے تو وہ اس کو بھی قتل نہیں کرے گا۔ یہاں وضاحت کی جا رہی ہے کہ اشهر حرم اور حدود حرم میں جنگ و اقتتال بہت بڑا گناہ ہے، لیکن اگر کفار کی طرف سے ان کی حرمت کا لحاظ نہ رکھا جائے اور وہ اقدام کریں تو اب یہ نہیں ہو گا کہ ہاتھ پاؤں پاندھ کر اپنے آپ کو پیش کر دیا جائے بلکہ جوابی کارروائی کرنا ہو گی۔ اس جوابی اقدام میں اگر حدود حرم یا اشهر حرم کی بے حرمتی کرنی پڑے تو اس کا وباں بھی ان پر آئے گا جنہوں نے اس معاملے میں پہلی کی۔

«فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ» ”تو جو کوئی بھی تم پر زیادتی کرتا ہے تو تم بھی اس کے خلاف کارروائی کرو (اقدام کرو) جیسے کہ اس نے تم پر زیادتی کی۔“

«وَاتَّقُوا اللّٰهَ» ”اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔“

«وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ» ”اور جان لو کہ اللہ مقیوم کے ساتھ ہے۔“ یعنی اللہ کی تائید و نصرت اور اس کی مدد اہل تقویٰ کے لیے آئے گی۔ اب آئے گئے ”انفاق“

کا حکم آرہا ہے جو مضامین کی چار لڑیوں میں سے تیسرا لڑی ہے۔ قال کے لیے اتفاقِ مال لازم ہے۔ اگر فوج کے لیے ساز و سامان نہ ہو، رسد کا اہتمام نہ ہو، تھیار نہ ہوں، سواریاں نہ ہوں تو جنگ کیسے ہوگی؟

آیت ۱۹۵ ﴿وَأَنْفَقُوا فِي سَبِيلِ اللّهِ وَلَا تُلْقُوا بِا يَدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلِكَةِ﴾ ”اور خرج کر واللہ کی راہ میں اور مت ڈالا پئے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں۔“ یعنی جس وقت اللہ کے دین کو روپے پیسے کی ضرورت ہو اس وقت جو لوگ اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی سے جی چرتے ہیں وہ اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کے موقع پر عام اپیل کی اور اس وقت جو لوگ اپنے مال کو سمیٹ کر بیٹھے رہے تو گویا انہوں نے اپنے آپ کو خود ہلاکت میں ڈال دیا۔ ﴿وَأَحْسِنُوا﴾ ”اور احسان کی روشن اختیار کرو۔“

اپنے دین کے اندر خوبصورتی پیدا کرو۔ دین میں بہتر سے بہتر مقام حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ دنیا میں آگے سے آگے کے دردین میں پیچھے سے پیچھے رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دین میں یہ دیکھیں گے کہ کم سے کم پر گزارا ہو جائے، جبکہ دنیا کے معاملے میں آگے سے آگے نکلنے کی کوشش ہوگی اور ”جتو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں!“ یہ جتو جو دنیا میں ہے اس سے کہیں بڑھ کر دین میں ہونی چاہیے، ازروئے الفاظ قرآنی: ﴿فَاسْتِقْوَا بِالْغَيْرِاتِ﴾ ”پس تم نیکوں میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرو۔“

﴿إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ محسینین کو (ان لوگوں کو جو درجہ احسان پر فائز ہو جائیں) پسند کرتا ہے۔“

حدیث جبرائیل (جسے ام السُّنَّة کہا جاتا ہے) میں حضرت جبرائیل نے رسول اللہ ﷺ نے سے تین سوال کیے تھے: (۱) أَخْبَرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ ”مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے (کہ اسلام کیا ہے؟) (۲) أَخْبَرْنِي عَنِ الْإِعْمَانِ ”مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے (کہ ایمان کیا ہے؟) (۳) أَخْبَرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ ”مجھے احسان کے بارے میں بتائیے (کہ احسان کیا ہے؟) احسان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (انْ تَعْبُدُ اللّهَ كَائِنَكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ) (۱) ”(احسان یہ ہے) کہ تو اللہ تعالیٰ کی

(۱) صحیح مسلم، کتاب الائیمان، باب بیان الائیمان والاسلام والاحسان۔

عبادت ایسے کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، پھر اگر تو اسے نہ دیکھ سکے (یعنی یہ کیفیت حاصل نہ ہو سکے) تو (کم از کم یہ خیال رہے کہ) وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ دین کے سارے کام عبادات، اتفاق اور جہاد و قتل ایسی کیفیت میں اور ایسے اخلاص کے ساتھ ہوں گویا تم اپنی آنکھوں سے اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ مقام اور کیفیت حاصل نہ ہو تو کم سے کم یہ کیفیت تو ہو جائے کہ تمہیں مستحضر رہے کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ احسان ہے۔ عام طور پر اس کا ترجمہ اس انداز میں نہیں کیا گیا۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ دیے یہ مضمون زیادہ وضاحت کے ساتھ سورۃ المائدۃ میں آئے گا۔

آیت ۱۹۶ ﴿وَاتَّمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةِ لِلّٰهِ﴾ "اور حج اور عمرہ مکمل کرو اللہ کے لیے۔" عمرہ کے لیے احرام تو مذینہ منورہ سے سات میل باہر نکل کر ہی باندھ لیا جائے گا، لیکن حج مکمل تب ہو گا جب طواف بھی ہو گا، وقوف عرف بھی ہو گا اور اس کے سارے مناسک ادا کیے جائیں گے۔ لہذا جو شخص بھی حج یا عمرہ کی نیت کر لے تو پھر اسے تمام مناسک کو مکمل کرنا چاہیے کوئی کمی نہ رہے۔

﴿فَإِنْ أُحِصْرُتُمْ﴾ "پھر اگر تمہیں گھیر لیا جائے"

یعنی روک دیا جائے، جیسا کہ ۲۷ بھری میں ہوا کہ مسلمانوں کو صلح حدیبیہ کرنی پڑی اور عمرہ ادا کیے بغیر واپس جانا پڑا۔ مشرکین مکہ اٹھ گئے تھے کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهُدُى﴾ "تو جو کوئی بھی قربانی میسر ہو وہ پیش کر دو۔"

یہ دم احصار کھلاتا ہے کہ چونکہ اب ہم آگے نہیں جا سکتے، ہمیں احرام کھولنا پڑ رہا ہے تو ہم اللہ کے نام پر یہ جانور دے رہے ہیں۔ یہ ایک طرح سے اس کا کفارہ ہے۔

﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوفًا وَسَكُونًا حَتَّى يَلْغُ الْهُدُى مَحِلَّهُ﴾ "اور اپنے سر اس وقت تک نہ موٹ و جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پہنچ جائے۔"

یعنی جہاں جا کر قربانی کا جانور ذبح ہونا ہے وہاں پہنچ نہ جائے۔ اگر آپ کو حج یا عمرہ سے روک دیا گیا اور آپ نے قربانی کے جانور آگے بیٹھ دیے تو آپ کو روکنے والے ان جانوروں کو نہیں روکیں گے، اس لیے کہ ان کا گوشت تو انہیں کھانے کو ملتے گا۔ اب اندازہ کر لیا جائے کہ اتنا وقت گزر گیا ہے کہ قربانی کا جانور اپنے مقام پر پہنچ گیا ہو گا۔

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرْيُضاً أَوْ يَهْأَذَى مِنْ رَأْسِهِ﴾ "پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو،"

یعنی سر میں کوئی زخم وغیرہ ہو اور اس کی وجہ سے بال کٹوانے ضروری ہو جائیں۔

﴿فَفِدِيَّةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٌ أَوْ نُسُكٌ﴾ "تو وہ فدیہ کے طور پر روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔"

اگر اس ہدی کے جانور کے کعبہ پہنچنے سے پہلے پہلے تمہیں اپنے بال کاٹنے پڑیں تو فدیہ ادا کرنا ہوگا۔ یعنی ایک کی جو رہ گئی ہے اس کی تلافی کے لیے کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ اس کفارے کی تین صورتیں بیان ہوئی ہیں: روزے یا صدقہ یا قربانی۔ اس کی وضاحت احادیث نبویہ سے ہوتی ہے کہ یا تو تین دن کے روزے رکھے جائیں یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے یا کم از کم ایک بکری کی قربانی دی جائے۔ اس قربانی کو دم جنمیت کہتے ہیں۔

﴿فِإِذَا أَمْتَمْتُمْ سَ﴾ "پھر جب تمہیں امن حاصل ہو (اور تم سید ہے بیت اللہ پہنچ سکتے ہو)،"

﴿فَمَنْ تَمَتعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجَّ فَمَا أُسْتَيْسَرَ مِنَ الْهُدْيِ﴾ "تو جو کوئی بھی فائدہ اٹھائے عمرے کا حج سے قبل تو وہ قربانی پیش کرے جو بھی اسے میسر ہو۔"

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل عرب کے باں ایک سفر میں حج اور عمرہ دونوں کرنا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ ان کے نزدیک یہ کعبہ کی توہین تھی۔ ان کے باں حج کے لیے تین میہنے شوال ذوالقعدہ اور ذوالحجہ تھے جبکہ رجب کامہینہ عمرے کے لیے مخصوص تھا۔ وہ عمرے کے لیے علیحدہ سفر کرتے اور حج کے لیے علیحدہ۔ یہ بات حدود حرم میں رہنے والوں کے لیے تو آسان تھی؛ لیکن اس امت کو تو پوری دنیا میں پھیلانا تھا اور دور دراز سے سفر کر کے آنے والوں کے لیے اس میں مشقت تھی۔ لہذا شریعت محمدی میں لوگوں کے لیے جہاں اور آسانیاں پیدا کی گئیں وہاں حج و عمرہ کے ضمن میں یہ آسانی بھی پیدا کی گئی کہ ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ دونوں کو جمع کر لیا جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پہلے عمرہ کر کے احرام کھول دیا جائے اور پھر آٹھویں ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھ لیا جائے۔ یہ "متّع" کہلاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حج کے لیے احرام باندھا تھا جاتے ہی عمرہ بھی کر لیا، لیکن احرام کھولنا نہیں اور اسی احرام میں حج بھی کر لیا۔ یہ "حج قرآن" کہلاتا ہے۔ لیکن اگر شروع ہی سے صرف حج کا احرام باندھا جائے اور عمرہ

نہ کیا جائے تو یہ ”حج افراد“ کہلاتا ہے۔ قرآن یا تمعن کرنے والے پر قربانی ضروری ہے۔ امام ابوحنفہؓ سے دم شکر کہتے ہیں اور قربانی کرنے والے کو اس میں سے کھانے کی اجازت دیتے ہیں۔ امام شافعیؓ کے نزدیک یہ دم جبرا ہے اور قربانی کرنے والے کو اس میں سے کھانے کی اجازت نہیں ہے۔

﴿فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجَّ﴾ ”جس کو قربانی نہ ملے تو وہ تین دن کے روزے ایام حج میں رکھئے“

یعنی عین ایام حج میں ساتویں آٹھویں اور نویں ذوالحجہ کو روزہ رکھے۔ دسویں کا روزہ نہیں ہو سکتا، وہ عید کادن (یوم النحر) ہے۔

﴿وَسَبْعَةٌ إِذَا رَأَجَعْتُمْ﴾ ”اور سات روزے رکھو جبکہ تم واپس پہنچ جاؤ۔“
اپنے گھروں میں جا کر سات روزے رکھو۔

﴿تُلْكَ عَشَرَةً كَامِلَةً﴾ ”یہ گل دس (روزے) ہوں گے۔“

﴿ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ”یہ (رعایت)
اس کے لیے ہے جس کے گھروں میں مسجد حرام کے قریب نہ رہتے ہوں۔“

یعنی ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ کو جمع کرنے کی رعایت، خواہ تمعن کی صورت میں ہو یا قرآن کی صورت میں، صرف آفاقتی کے لیے ہے؛ جس کے اہل و عیال جوارِ حرم میں نہ رہتے ہوں، یعنی جو حدودِ حرم کے باہر سے حج کرنے آیا ہو۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ ”اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔“

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ ”اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے۔“

آیات ۱۹ تا ۲۰

**﴿الْحَجَّ أَشْهُرٌ مَعْلُومٌۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَعَ وَلَا
فُسُوقَ وَلَا جِدَالٌ فِي الْحَجَّۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُۚ
وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الرِّزَادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونَ يَأْوَلِي الْأَلْبَابِۚ لَيْسَ**

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فَإِذَا أَفْضَلْتُمْ مِنْ عَرْقَتِ
فَإِذْ كُرُوا اللَّهُ عِنْدَ الْمُشْعَرِ الْحَرَامِ وَإِذْ كُرُوْهُ كَمَا هَدَاهُكُمْ وَإِنْ
كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ثُمَّ أَفِيظُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ
وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكُكُمْ
فَإِذْ كُرُوا اللَّهُ كَذِكْرِكُمْ أَبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ
يَقُولُ رَبَّنَا اتَّنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَمِنْهُمْ مَنْ
يَقُولُ رَبَّنَا اتَّنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقَنَا عَذَابَ
النَّارِ أُولَئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ
وَإِذْ كُرُوا اللَّهُ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يُؤْمِنُ فَلَا إِثْمَ
عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَى وَاتَّقُوا اللَّهُ وَاعْلَمُوا
أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ

پچھلے روئے سے مناسک حج کا تذکرہ شروع ہو چکا ہے۔ اب اس پچیسویں روئے میں حج کا اصل فلسفہ اس کی اصل حکمت اور اس کی اصل روح کا بیان ہے۔ فرمایا:

آیت ۱۹۷ (الحجج أشهـر مـعـلـومـتـ) ”حج کے معلوم مہینے ہیں۔“

یعنی عرب میں جو بھی پبلے سے روانچا آرہا تھا اس کی توثیق فرمادی گئی کہ واقعی حج کے موافقیت کا تعین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

”فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ“ ”تو جس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ان مہینوں میں

”حج کو“

لازم کرنے سے مراد حج کا عزم اور نیت پختہ کرنا ہے اور اس کی علامت احرام باندھ لینا ہے۔ ”فَلَا رَفَثٌ وَلَا فُسُوقٌ وَلَا جَدَالٌ فِي الْحَجَّ“ ”تو (اس کو خبردار رہنا چاہیے کہ) دوران حج نہ تشوہوت کی کوئی بات کرنی ہے نہ فتن و فجور کی اور نہ لڑائی جھگڑے کی۔“

زمانہ حج میں جن پاتوں سے روکا گیا ہے ان میں اولین یہ ہے کہ تشوہوت کی کوئی بات نہیں

ہونی چاہیے۔ میاں بیوی بھی اگر ساتھ حج کر رہے ہوں تو احرام کی حالت میں ان کے لیے وہی قید ہے جو اعکاف کی حالت میں ہے۔ باقی یہ کہ فوق و جدال یعنی اللہ کی نافرمانی اور باہم بڑائی بھگڑا تو ویسے ہی ناجائز ہے، دورانِ حج اس سے خاص طور پر روک دیا گیا۔ اس لیے کہ بہت بڑی تعداد میں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے، سفر میں بھی لوگ ساتھ ہوتے ہیں۔ اس حالت میں لوگوں کے غصوں کے پارے جلدی چڑھ جانے کا امکان ہوتا ہے۔ لہذا اس سے خاص طور پر روکا گیا تاکہ مناسکِ حج کی ادائیگی کے دورانِ امن اور سکون ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ آج بھی یہ باتِ محجزات میں سے ہے کہ دنیا بھر سے اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کے جمع ہونے کے باوجود وہاں امن و سکون رہتا ہے اور جنگ و جدال اور بھگڑا و فساد وغیرہ کہیں نظر نہیں آتا۔ مجھے الحمد لله پانچ چھ مرتبہ حج کی سعادت حاصل ہوئی ہے، لیکن وہاں پر بھگڑا اور گالم گلوچ کی کیفیت میں نہ کبھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی۔

﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ﴾ "اور نیکی کے جو کام بھی تم کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے۔"

حج کے دورانِ مناسکِ حج پر مستزد جو بھی نیکی کے کام کر سکو مثلاً نوافل پر ہمو یا اضافی طواف کرو تو تمہاری یہ نیکیاں اللہ کے علم میں ہوں گی، کسی اور کو دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔
 ﴿وَتَرَوْدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ﴾ "اور زادِ راہ ساتھ لے لیا کرو، یقیناً بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔"

اس کے دو معنی لیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ یعنی سفرِ حج میں مادی زادِ راہ کے علاوہ تقویٰ کی پونچی بھی ضروری ہے۔ اگر آپ نے اخراجات سفر کے لیے روپیہ پیسہ تو واپر لے لیا، لیکن تقویٰ کی پونچی سے تجی دامن رہے تو دورانِ حج اچھی سہولیات تو حاصل کر لیں گے مگر حج کی روح اور اس کی برکات سے محروم رہیں گے۔

لیکن اس کا ایک دوسرا معنی بھی بہت اہم ہے کہ اگر انسان خود اپنا زادِ راہ ساتھ نہ لے تو پھر وہاں دوسروں سے مانگنا پڑتا ہے۔ اس طرح یہاں "تقویٰ" سے مراد سوال سے چلتا ہے۔ یعنی بہتر یہ ہے کہ زادِ راہ لے کر چلوتا کہ تمہیں کسی کے سامنے سائل نہ بننا پڑے۔ اگر تم صاحبِ استطاعت نہیں ہو تو حج تم پر فرض عین نہیں ہے۔ اور ایک شے جو تم پر فرض نہیں ہے اس کے لیے خواہ خواہ وہاں جا کر بھیک مانگنا یا یہاں سے بھیک مانگ کر یا چندہ اکٹھا کر کے جانا قطعاً غلط

حرکت ہے۔

»وَاتَّقُونَ يَنْوُلِي الْأَلْبَابَ يَهُ« ”اور میرا ہی تقویٰ اختیار کرواے ہوش مندو!“ آیت ۱۹۸ ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جَنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ﴾ ”تم پر اس امر میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم (سفر حج کے دوران) اپنے رب کا فضل بھی تلاش کرو۔“ آدمی ہندوستان سے یا پاکستان سے حج کے لیے جا رہا ہے اور وہ اپنے ساتھ پچھے اسی اجناس لے جائے جنہیں وہاں پر بیچ کر کچھ نفع حاصل کر لے تو یہ تقویٰ کے منافی نہیں ہے۔

﴿فِإِذَا أَفَضْتُم مِنْ عَوْتِي فَادْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ ”پس جب تم عرفات سے واپس لوٹو اللہ کو یاد کرو مشعر حرام کے نزدیک۔“

وقوف عرفات حج کا رکن اعظم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((الحج عرفة))^(۱) یعنی اصل حج تو عرفہ ہی ہے۔ اگر کسی سے حج کے باقی تمام مناسک رہ جائیں، صرف قیام عرفہ میں شمولیت ہو جائے تو اس کا حج ہو گیا، باقی جو چیزیں رہ گئی ہیں ان کا کفارہ ادا کیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص عرفات کے قیام میں ہی شریک نہیں ہوا تو پھر اس کا حج نہیں ہوا۔ ایام حج کا نامم نیبل نوٹ تکمیل کر کے ۸۸ ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ سے نکل کر رات منی میں گزارنا ہوتی ہے۔ اگلے دن ۹ ذوالحجہ یوم عرفہ ہے۔ اس روز صحیح کو عرفات کے لیے قافلے چلتے ہیں اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ دو پھر سے پہلے وہاں پہنچ جایا جائے۔ وہاں پر ظہر کے وقت ظہر اور عصر و نوں نمازیں ملا کر پڑھی جاتی ہیں۔ اس کے بعد سے غروب آفتاب تک عرفات کا قیام ہے، جس میں کوئی نماز نہیں۔ یعنی رواۃی عبادات کے سب دروازے بند ہیں۔ اب تو صرف دعا ہے۔ اگر آپ کے اندر دعا کی ایک روح پیدا ہو چکی ہے، آپ اپنے رب سے ہم کلام ہو سکتے ہیں اور آپ کو حلاوت مناجات حاصل ہو گئی ہے تو بس دعا مانگتے رہیے۔ قیام عرفہ کے دوران کھڑے ہو کر یا بیٹھے ہوئے، جس طرح بھی ہوالہ سے مناجات کی جائے۔ یا اس میں اگر کسی وجہ سے کمی ہو جائے تو آدمی تلاوت کرے۔ لیکن عام نماز اب کوئی نہیں۔ ۹ ذوالحجہ کو وقوف عرفات کے بعد مغرب کی نماز کا وقت ہو چکنے کے بعد عرفات سے رواگئی ہے، لیکن وہاں مغرب کی نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ اب مزادفہ میں جا کر مغرب اور عشاء دونوں نمازیں جمع کر کے ادا کرنی ہیں اور رات وہیں کھلے آسمان تک ببر کرنی ہے۔ یہ مزادفہ کا قیام ہے۔ مشعر حرام ایک پہاڑ کا نام ہے جو مزادفہ

(۱) سنن الترمذی، کتاب الحج، باب ما جاء فیمن ادرک الامام بجمعه فقد ادرک الحج۔

میں واقع ہے۔

﴿وَإِذْ كُرُوا اللَّهُ كَذِبُوكُمْ﴾ ”اور یاد کرو اسے جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت کی ہے۔“

یعنی اللہ کا ذکر کرو جس طرح اللہ نے تمہیں اپنے رسول ﷺ کے ذریعے سمجھایا ہے۔ ذکر کے جو طور طریقے رسول اللہ ﷺ نے سمجھائے ہیں انہیں اختیار کرو اور زمانہ جاہلیت کے طریقے ترک کرو۔

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ إِنَّمَا اس سے پہلے تو تم گمراہ لوگوں میں سے تھے۔“

تم حج کی حقیقت سے ناواقف تھے۔ حج کی بس شکل باقی رہ گئی تھی، اس کی روح ختم ہو گئی تھی؛ اس کے مناسک میں بھی رو دبدل کر دیا گیا تھا۔

آیت ۱۹۹ **﴿ثُمَّ أَفْيَضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾** ”پھر تم بھی وہیں سے پلٹو جہاں سے سب لوگ پلتے ہیں۔“

زمانہ جاہلیت میں قریش مکہ عرفات تک نہ جاتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہماری خاص حیثیت ہے، لہذا ہم منی ہی میں مقام رہیں گے، باہر سے آنے والے لوگ عرفات جائیں اور وہاں سے طواف کے لیے واپس لوٹیں، یہ سارے مناسک ہمارے لیے نہیں ہیں۔ یہاں فرمایا گیا کہ یہ ایک غلط بات ہے جو تم نے ایجاد کر لی ہے۔ تم بھی وہیں سے طواف کے لیے واپس لوٹو جہاں سے دوسرے لوگ لوٹتے ہیں، یعنی عرفات سے۔

﴿وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ﴾ ”اور اللہ سے استغفار کرتے رہو۔“

اپنی اگلی تقصیر پر نادم ہو اور اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہو۔

﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”یقیناً اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔“

آیت ۲۰۰ **﴿فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكُكُمْ﴾** ”اور جب تم اپنے مناسک حج ادا کر چکو۔“

﴿فَإِذْ كُرُوا اللَّهُ كَذِبُوكُمْ أَبَاءَكُمْ﴾ ”تواب اللہ کا ذکر کرو جیسے کہ تم اپنے

آباء و آجداد کا ذکر کرتے رہے ہو۔“

﴿أَوْ أَشَدَّ ذُكْرًا﴾ ”بلکہ اس سے بھی زیادہ شدہ ومد کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو۔“

یعنی دسویں ذوالحجہ کو جب افعالی حج سے فراغت پا چکو تو قیامِ منی کے دوران اللہ کا خوب ذکر کرو جیسے زمانہ جاہلیت میں اپنے آباء و آجداد کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر اللہ کا ذکر کرو۔ ان کا قدیم دستور تھا کہ حج سے فارغ ہو کر تین دن منی میں قیام کرتے اور بازار لگاتے۔ وہاں میلے کا سامان ہوتا جہاں مختلف قبائل کے شرعاً اپنے قبیلوں کی مدح مرائی کرتے تھے اور اپنے اسلاف کی عظمت بیان کرتے تھے۔ اللہ کا ذکر ختم ہو چکا تھا۔ فرمایا کہ جس شدہ و مدد کے ساتھ تم اپنے آباء و آجداد کا ذکر کرتے رہے ہو اب اسی انداز سے بلکہ اس سے بھی زیادہ شدہ و مدد کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو۔

﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ ”لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو یہی کہتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا ہی میں دے دے اور ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔“

یعنی ارضِ حرم میں بکھر کر دورانِ حج بھی ان کی ساری دعائیں ذہنوی چیزوں ہی کے لیے ہیں۔ چنانچہ وہ مال کے لیے، اولاد کے لیے، ترقی کے لیے ذہنوی ضروریات کے لیے اور اپنی مشکلات کے حل کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے دلوں میں دنیارپی بھی ہوئی ہے۔ جیسے بھی اسرائیل کے دلوں میں بچھڑے کا تقدس اور اس کی محبت جاگزیں کر دی گئی تھیں۔ جیسے بھی طرح ہمارے دلوں میں دنیا کی محبت گھر کر چکی ہے، لہذا وہاں جا کر بھی دنیا ہی کی دعائیں مانگتے ہیں۔ یہاں واضح فرمادیا گیا کہ ایسے لوگوں کے لیے پھر آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

آیت ۲۰۱ (وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ) ”اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں“

﴿رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقَنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ ”پورا دگار! ہمیں اس دنیا میں بھی خیر عطا فرماؤ اور آخرت میں بھی خیر عطا فرماؤ! ہمیں بچا لے آگ کے عذاب سے۔“

یہی وہ دعا ہے جو طواف کے ہر چکر میں رکنِ یمان سے مجرم اسود کے درمیان چلتے ہوئے مانگی جاتی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا خیر ایمان اور بدایت ہے۔ دنیا کا کوئی خیر خیر نہیں ہے جب تک کہ اس کے ساتھ بدایت اور ایمان نہ ہو۔ چنانچہ سب سے پہلے انسان بدایت ایمان اور استقامت طلب کرے، پھر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دنیا میں کشاوگی اور رزق میں کشاوش کی دعا بھی کرے تو یہ بات پسندیدہ ہے۔

آیت ۲۰۲ ﴿أُولَئِنَّكُلَّهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا﴾ ”انہی لوگوں کے لیے حصہ ہو گا اُس میں سے جوانہوں نے کمایا۔“

یہ الفاظ بہت اہم ہیں۔ محض دعا کافی نہیں ہو جائے گی، بلکہ اپنا عمل بھی ضروری ہے۔ یہاں پر یہ جو فرمایا کہ ”ان کے لیے حصہ ہے اُس میں سے جوانہوں نے کمایا“، اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں سے کیوں؟ وہ تو سارا ملنا چاہیے! لیکن نہیں، بندے کو اپنے اعمال پر غرہ نہیں ہونا چاہیے اسے ذرتے رہنا چاہیے کہ کہیں کسی مسئلے میں میری نیت میں فساد نہ آ گیا ہو ممکن ہے میرے کسی عمل کے اندر کوئی کمی یا کوتاہی ہو گئی ہو۔ اس لیے یہ نہ سمجھ لیں کہ جو کچھ بھی کیا ہے اس کا اجر لازماً ملے گا۔ جو کچھ انہوں نے کمایا ہے اُس میں اگر خلوص ہے ریا کاری نہیں ہے اُس کے تمام آداب اور شرائط متعظ رکھے گئے ہیں تو ان کو ان کا حصہ ملے گا۔

﴿وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ ”اور اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کو حساب چکانے میں در نہیں لگتی، وہ بہت جلدی حساب کر لے گا۔ اب تو ہمارے لیے یہ سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں رہا، ہمارے ہاں کمپیوٹر پر کتنی جلدی حساب ہو جاتا ہے، اللہ کے ہاں تو پتا نہیں کیسا پر کمپیوٹر ہو گا کہ اسے حساب نکالنے میں ذرا بھی در نہیں لگے گی!

آیت ۲۰۳ ﴿وَإِذْ كُرُوا اللَّهُ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ﴾ ”اوڑ کر کرو اللہ کا گفتہ کے چند دنوں میں۔“

اس سے مراد ذوالمحجہ کی گیا رہوں اور تیرہوں میں تاریخیں ہیں جن میں یوم خر کے بعد منی میں قیام کیا جاتا ہے۔ ان تین دنوں میں نکریاں مارنے کے وقت اور ہر نماز کے بعد بکیر کہنے کا حکم ہے۔ دیگر اوقات میں بھی ان دنوں میں بکیر اوڑ کر الہی کثرت سے کرنا چاہیے۔

﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِنْمَامٌ عَلَيْهِ﴾ ”تو جو کوئی دو دن ہی میں جلدی سے واپس آ جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔“

یعنی جو کوئی تین دن پورے نہیں کرتا، بلکہ دو دن ہی میں واپسی اختیار کر لیتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

﴿وَمَنْ تَأْخُرَ﴾ ”اور جو پہلے رہے“

یعنی منی میں ظہرار ہے اور تین دن کی مقدار پوری کرے۔

﴿فَلَا إِنْتَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَى﴾ ”تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ وہ تقویٰ اختیار کرے۔“

اصل چیز تقویٰ ہے۔ جو کوئی زمانہ حج میں پرہیزگاری کی روشن اختیار کیے رکھے تو اس پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ منی میں دو دن قیام کرے یا تین دن۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا اجر حفظ ہے۔ اگر کسی شخص نے منی میں قیام تو تین دن کا کیا، لیکن تیرے دن اُس نے کچھ اور عی حرکتیں شروع کر دیں، اس لیے کہ جی اکتا یا ہوا ہے اور طبیعت کے اندر سفر ہوئیں ہے تو وہ تیرا دن اس کے لیے کچھ خاص مفید ثابت نہیں ہو گا۔ اصل شے جو اللہ کے ہاں قبولیت کے لیے شرط لازم ہے، وہ تقویٰ ہے۔ آگے پھر فرمایا:

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ ”اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور خوب جان رکھو کہ یقیناً تمہیں اُسی کی جانب جمع کر دیا جائے گا۔“
تم سب کے سب ہائک کر اسی کی جانب میں لے جائے جاؤ گے۔

آیات ۲۰۳ تا ۲۱۰

﴿وَمَنَّ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشَهِّدُ اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قُلُبِهِ وَهُوَ أَكْلُ الدُّخَاصَامِ وَإِذَا تَوَلَّ ي سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ وَإِذَا قِيلَ لَهُ أَتَقَ اللَّهُ أَخْدَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِيمَانِ فَحَسِبَهُ جَهَنَّمُ وَلَبَسَ الْمِهَادِ وَمَنَّ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ أَبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السَّلَمِ كَافِةً وَلَا تَبْعُدُوا خُطُوطَ الشَّيْطَنِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ فَإِنْ زَلَّتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَكُمُ الْبَيِّنُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلْلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضَى الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾

آیت ۲۰۳ ﴿وَمَنَّ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ ”اور لوگوں میں

سے کوئی شخص ایسا بھی ہے جس کی باتیں تمہیں بہت اچھی لگتی ہیں دنیا کی زندگی میں،” یہ منافقین میں سے ایک خاص گروہ کا تذکرہ ہورہا ہے۔ منافقین میں سے بعض تو ایسے تھے کہ ان کی زبانوں پر بھی نفاق واضح طور پر ظاہر ہو جاتا تھا، جبکہ منافقین کی ایک قسم وہ تھی کہ بڑے چالپوس اور چوب زبان تھے۔ ان کی گفتگو ایسی ہوتی تھی گویا وہ تو بڑے ہی غلص اور بڑے ہی فدرا کار ہیں۔ اپنا موقف اس انداز سے پیش کرتے کہ یوں لگتا تھا کہ بڑی ہی نیک نیتی پر ہے، لیکن ان کا کردار انہیانی گھناؤ ناتھا۔ ان کی ساری بھاگ دوڑ رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی مخالفت کی راہ میں ہوتی تھی۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جن کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں بہت اچھی لگتی ہیں۔

﴿وَيُشَهِّدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قُلُوبِهِ﴾ ”اور وہ اللہ کو بھی گواہ ٹھہراتا ہے اپنے دل کی بات پر۔“

اس کا اندازِ کلام یہ ہوتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اللہ جانتا ہے کہ خلوص سے کہہ رہا ہوں، پوری نیتی سے کہہ رہا ہوں۔ منافق کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو قبل اعتبار ثابت کرنے کے لیے بات بات پر قسم کھاتا ہے۔

﴿وَهُوَ الَّذِي أَخْصَامُهُمْ﴾ ”حالاً نکد فی الواقع وہ شدید ترین دشمن ہے۔“

آیت ۲۰۵ ﴿وَإِذَا تَوَكَّلَ سَعْيَ فِي الْأَرْضِ﴾ ”اور جب وہ پیغہ پھیر کر جاتا ہے تو زمین میں بھاگ دوڑ کرتا ہے“

﴿لِفُسِدِ فِيهَا وَيَهْلِكُ الْحَرْثَ وَالنُّسُلَ﴾ ”تاکہ اس میں فساد مچائے اور صحیق اور نسل کو تباہ کرے۔“

یہ لوگ جب آپ کے پاس سے ہتھے ہیں تو ان کی ساری بھاگ دوڑ اس لیے ہوتی ہے کہ زمین میں فساد مچائیں اور لوگوں کی کھیتیاں اور جانیں تباہ و بر باد کریں۔

﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ کو فساد بالکل پسند نہیں ہے۔“

آیت ۲۰۶ ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُ أَتَقَ اللَّهُ أَخْدَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِنْسَمْ﴾ ”اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو جھوٹی عزت نفس اس کو گناہ پر اور جہاد تی ہے“

جب ایسے شخص سے کہا جاتا ہے کہ تم اللہ کا خوف کرو اللہ سے ڈر تو تم باتیں ایسی

خوبصورت کرتے ہو اور عمل تھا راتنا گھناؤنا ہے ذرا سوچ تو سہی تو اس کو اپنی جھوٹی اتنا اور عزت نفس گناہ پر اور بجادیت ہے۔ ایک شخص وہ ہوتا ہے جس سے خطاب ہو گئی تو اس نے اپنی غلطی تسلیم کر لی اور اپنی اصلاح کر لی۔ جبکہ ایک شخص وہ ہے جس کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ میں کیسے مان لوں کہ میری غلطی ہے؟ اس کی جھوٹی اتنا اور جھوٹی عزت نفس اسے گناہ سے ہٹنے نہیں دیتی بلکہ مزید آمادہ کرتی ہے۔

﴿فَحَسِبُهُ جَهَنَّمُ﴾ ”سواس کے لیے جہنم کافی ہے۔“

﴿وَلَبِسْ الْمَهَادُ﴾ ”اور یقیناً وہ بر اٹھ کا نہ ہے۔“

روایات میں آتا ہے کہ منافقین مدینہ میں ایک شخص اخشن بن شریق تھا، یہ اس کا کردار بیان ہوا ہے۔ شان نزول کے اعتبار سے یہ بات ٹھیک ہے اور تاویل خاص میں اس کو بھی سامنے رکھا جائے گا، لیکن درحقیقت یہ ایک کردار ہے جو آپ کو ہرجگہ ملے گا۔ اصل میں اس کردار کو پہچانا چاہیے اور اس کے حوالے سے اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرنی چاہیے کہ اس کردار سے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

آیت ۲۰۰ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ أَيْتَغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ﴾ ”اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے جو نیچ دیتا ہے اپنی جان کو اللہ کی رضا کے لیے۔“

قرآن کا یہ عام اسلوب ہے کہ کرداروں کا فوری مقابل (simultaneous contrast) کرتا ہے۔ چنانچہ ایک ناپسندیدہ کردار کے ذکر کے فوراً بعد پسندیدہ کردار کا ذکر کیا گیا کہ لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو اپنے آپ کو اللہ کی رضا جوئی کے لیے تح دیتے ہیں اور اپنا تن من وطن قربان کرنے کو ہدایت تیار رہتے ہیں۔ **﴿إِنَّ صَالِحِي وَنُسُكِي وَمَهْبَتِي وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾**

﴿وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعَبَادِ﴾ ”اور اللہ اپنے ایسے بندوں کے حق میں بہت شفیق ہے۔“

جس شخص نے اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپناب کچھ تح دینے کا ارادہ کر لیا ہو نیت کر لی ہو اس سے بھی کبھی کوئی کوتاہی ہو سکتی ہے، کبھی جذبات میں آ کر کوئی غلط قدم اٹھ سکتا ہے۔ اپنے ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ بڑی شفقت اور مہربانی کے ساتھ معاف فرمائے گا۔

آیت ۲۰۱ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَتَوْا ادْخُلُوهُمْ فِي التَّسْلِيمِ كَافَةً﴾ ”اے ال ایمان!

اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے۔“

اہل ایمان سے اب وہ بات کہی جا رہی ہے جس کا معکوس (converse) ہم نبی اسرائیل سے خطاب کے ذیل میں (آیت ۸۵ میں) پڑھچکے ہیں:

﴿أَنَفُوْمُونَ بِيَعْصِيْكُلْ وَتَكْفُرُونَ بِيَعْصِيْ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَقْعُلُ ذِلْكَ

مِنْكُمْ إِلَّا خِزْنٌ فِي الْعَيْلَةِ الْلَّدُنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يُرْكُوْنَ إِلَى أَشَدِ الْعَذَابِ﴾

”کیا تم ہماری کتاب (اور دین و شریعت) کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کورڈ کر دیتے ہو؟ سو جو کوئی بھی تم میں سے یہ روشن اختیار کریں ان کی کوئی سزا اس کے سوا نہیں ہے کہ دنیا میں ذلت و خواری ان پر مسلط کرو دی جائے اور قیامت کے دن ان کو

شدید ترین عذاب میں جبوک دیا جائے۔“

اب ثابت پیرائے میں مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی اطاعت میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ تحفظات (reservations) اور استثناءات (exceptions) کے ساتھ نہیں۔ یہ طریقہ عمل نہ ہو کہ اللہ کی بندگی تو کرنی ہے، مگر فلاں معاملے میں نہیں۔ اللہ کا حکم تو مانا ہے لیکن یہ حکم میں نہیں مان سکتا۔ اللہ کے احکام میں سے کسی ایک کی نفی سے مغل کی نفی ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ جزوی اطاعت قبول نہیں کرتا۔

﴿وَلَا تَبْعُدُوا خُطُوْتِ الشَّيْطَنِ﴾ ”اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔“

﴿إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌ مُّبِينٌ﴾ ”وہ توثیقیاً تمہارا بڑا کھلاشمن ہے۔“

۲۰۰ ﴿فَإِنْ زَلَّتُمْ مِنْهُ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبُشِّرَى﴾ ”پھر اگر تم پھسل گئے

اس کے بعد بھی کہتمہارے پاس یہ واضح تعلیمات آچکی ہیں“

﴿فَاقْعِلُمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ ”تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے،

”حکمت والا ہے۔“

اس میں تهدید اور دھمکی کا پہلو ہے کہ پھر اللہ کی پکڑ بھی بہت سخت ہو گی۔ اور پھر یہ کہ وہ حکیم بھی ہے اس کی پکڑ میں بھی حکمت ہے، اگر اس کی طرف سے پکڑ کا معاملہ نہ ہو تو پھر دین کا لہذا حکام بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے کسی گناہ پر پکڑ ہی نہیں ہے تو پھر یہ لہذا کیا ہوئی؟ پھر جیز اوسرا اور جنت و دوزخ کا معاملہ کیا ہوا؟

﴿لَقَدْ يُنْظَرُوْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيْهُمُ اللَّهُ فِي ظُلْلٍ مِّنَ الْعَمَامِ وَالْمَلِّنَكَةُ وَقُضِيَ

الْأُمُورُ) ” کیا یہ اسی کا انتظار کر رہے ہیں کہ آ جائے ان پر اللہ تعالیٰ بادلوں کے سائبانوں میں اور فرشتے اور فیصلہ چکا دیا جائے؟“

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح احکامات اور تنبیہات آ جانے کے بعد بھی کچھ روئی سے باز نہیں آتے تو کیا وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنا جلال و کھانے اور فرشتوں کی افواج قاہرہ کے ساتھ ظاہر ہو کر ان کا حساب چکا دے؟

انسان کا نفس اسے ایک تو یہ پٹی پڑھاتا ہے کہ دین کے اس حصے پر تو آرام سے عمل کرتے رہو جو آسان ہے، باقی پھر دیکھا جائے گا۔ گویا ”یئھا یئھا ہپ اور کڑ واکڑ وا تھو۔“ دوسرا پٹی یہ پڑھاتا ہے کہ ٹھیک ہے یہ بھی اللہ کا حکم ہے اور دین کا بھی تقاضا ہے، لیکن ابھی ذرا ذمہ دار یوں سے فارغ ہو جائیں، ابھی ذرا بچوں کے معاملات ہیں، بچے برسر و زگار ہو جائیں، بچوں کے ہاتھ پیلے ہو جائیں، میں ریٹائرمنٹ لے لوں اور اپنا مکان بنالوں، پھر میں اپنے آپ کو دین کے لیے خالص کرلوں گا۔ یہ نفس کا سب سے بڑا دھوکہ ہے۔ اس طرح وقت گزرتے گزرتے انسان موت کی وادی میں چلا جاتا ہے۔ کیا معلوم موت کی گھری کب آ جائے؟ یہ مہلت عمر تو اچانک ختم ہو سکتی ہے۔ پوری دنیا کی قیامت بھی جب آئے گی اچانک آئے گی اور ہر شخص کی ذاتی قیامت تو اس کے سر پر توارکی طرح لٹکی ہوئی ہے۔ از روئے حدیث نبوی:

((مَنْ مَاتَ فَقَدْ فَانَتْ قِيَامَتُهُ)) (۱)

”جو مر گیا تو اس کی قیامت تو آ گئی!“

تو کیا تمہارے پاس کوئی گارنٹی ہے کہ یہ سارے کام کرو گے اور یہ سارے کام کر چکنے کے بعد زندہ رہو گے اور تمہارے جسم میں تو اتنا کی کوئی رمق بھی باقی رہ جائے گی کہ دین کا کوئی کام کر سکو؟ تو پھر تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ ہو سکتا ہے اچانک اللہ کی طرف سے مہلت ختم ہو جائے۔

((وَإِنَّ اللَّهَ تُرْجِعُ الْأُمُورُ)) ”او ر یقیناً تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔“

(۱) تعریج الكشاف للزیلمی ۴۳۶/۱ و تعریج الاحیاء للعراقی ۷۹۱/۴، سلسلة الاحادیث

الضعیفة لللبانی، ج ۱۱۶۶، راوی انس بن مالک

ترجمہ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب و تدوین: لطف الرحمن خان

سورۃ البقرۃ (مسلسل)

۲۶۲ آیت

(الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَيِّلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يَبْعُدُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنَا وَلَا
أَذْىٰ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزُنُونَ)

فرکیب: ”بَيْتُونَ“ کا مفعول اول ”ما“ ہے جبکہ ”مَنَا“ اور ”أَذْى“ اس کے مفعول ٹانی ہیں اس لیے یہاں ”أَذْى“ ”مَنَا“ منصوب ہے۔ ”أَجْرُهُمْ“ مبتدأ مouser ہے اس کی خبر مذوف ہے جو ”ثابت“ یا ”محفوظ“ ہو سکتی ہے۔ ”لَهُمْ“ قائم مقام خبر مقدم ہے اور ”عِنْدَ رَبِّهِمْ“ متعلق خبر ہے۔ ”لَا خَوْفٌ“ مبتدأ نکره ہے کیونکہ قاعدہ یہاں ہو رہا ہے اس کی بھی خبر مذوف ہے اور ”عَلَيْهِمْ“ قائم مقام خبر ہے۔ ”هُمْ“ مبتدأ ہے اور ”يَحْزُنُونَ“ جملہ فعلیہ بن کراس کی خبر ہے۔

ترجمہ:

يُنْفِقُونَ: خرچ کرتے ہیں
فِي سَيِّلِ اللَّهِ: اللہ کی راہ میں
لَا يَبْعُدُونَ: وہ لوگ پیچے نہیں لگاتے
أَنْفَقُوا: انہوں نے خرچ کیا

الَّذِينَ: وہ لوگ جو
أَمْوَالَهُمْ: اپنے مالوں کو
ثُمَّ: پھر
مَا: اس کے جو

وَلَا أَذْدِي: اور نہ ہی ستانے کو
 آجُورُهُمْ: ان کا اجر
 وَلَا خَوْفٌ: اور کوئی خوف نہیں ہے
 وَلَا هُمْ: اور نہ ہی وہ لوگ
 يَعْزَزُونَ: پچھتاتے ہیں

نوٹ (۱۱): خوف کا تعلق مستقبل کے اندیشوں سے ہے کہ انسان کو ہر وقت دھرم کا لگا رہے کہ کہیں یہ نہ ہو جائے کہیں وہ نہ ہو جائے۔ حزن کا تعلق اپنی کے پچھتاوں سے ہے کہ کاش میں نے یہ نہ کیا ہوتا! کاش ایسا نہ ہوتا۔ ایک انسان اگر ان دو کیفیتوں سے محفوظ و مامون ہو جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام ہے جو بے غرض اتفاق کے اصل اجر کے علاوہ ہے۔ اسی لیے فرمادیا کہ ان کا اجر تو ان کے رب کے پاس محفوظ ہے اور یہ دنیا میں ان کا انعام ہے۔ یہ داخلی کیفیت اصلاح تو جنتی لوگوں کا خاصہ ہے، لیکن بے غرض اتفاق کرنے والوں کو کسی درجہ میں یہ انعام اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا غالباً یہی مطلب تھا جب انہوں نے فرمایا کہ میری جنت میرے سینے میں ہے۔ برثغردرسل نے بھی اپنی کتاب "Conquest of Happiness" میں اپنے غور و فکر کا نجوم زان الفاظ میں بیان کیا کہ "Happiness is a state of mind"

اس دنیا میں جنت حاصل کرنے کے لیے بے غرض اتفاق کی ایک صفت اس آیت میں بیان ہوئی ہے کہ نہ صرف احسان نہیں جاتے بلکہ یہ احتیاط بھی کرتے ہیں کہ ان کے طرز عمل سے دوسرے کو کوئی جذبائی ٹھیس بھی نہ پہنچے۔ ایک اور صفت سورہ الدہر کی آیات ۹۸ میں بیان ہوئی ہے کہ وہ لوگ جب کسی مسکین، یتیم یا قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں تو کسی بد لے کی امید تو کیا، وہ شکر یہ کی بھی امید نہیں رکھتے۔

یہ بزم سے ہے، یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
 جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

آیت ۲۶۳

﴿فَوْلُ مَعْرُوفٍ وَّمَغْفِرَةً خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتَبَعَهَا أَذْنٌ ۖ وَاللَّهُ
 غَنِيٌّ حَلِيمٌ﴾

غُنِیٰ

غُنِیٰ (س) **غَنِيٌّ**: (۱) کسی قسم کی کوئی ضرورت لاحق نہ ہونا، ضروریات سے بے نیاز ہونا (یہ مفہوم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے)۔ (۲) ضروریات پوری کرنے کے ذرائع میسر ہونا، مالدار ہونا، بے فکر و بے پرواہ ہونا (یہ مفہوم غیر اللہ کے لیے ہے)۔
مَغْنِيٌّ: اپنا وجود قائم رکھنا، یعنی زندہ رہنا، کسی جگہ رہنا۔ («كَانَ لَمْ يَغْنُوا فِيهَا») (ہود: ۶۸) ”جیسے کہ وہ لوگ رہتے ہی نہیں تھے اس میں۔“

غَنِيٌّ بِحْ أَغْنِيَاءُ (فَعِيلُ کے وزن پر صفت) : بے نیاز، مالدار۔ («إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ») (التوبہ: ۹۳) ”الزام تو بس ان لوگوں پر ہے جنہوں نے رخصت مانگی آپ سے اس حال میں کہ وہ لوگ مالدار تھے۔“

أَغْنِيٌّ (انعال) **إِغْنَاءُ**: (۱) کسی کی کوئی ضرورت پوری کرنا یا تکلیف دور کرنا، یعنی کام آنا۔ (۲) مالدار کرنا۔ (۳) بے فکر و بے پرواہ کرنا۔ («مَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ») (اللهب) ”کام نہیں آیا اس کے اس کامال اور جو اس نے کیا۔“ («وَوَجَدَكَ عَانِلاً فَأَغْنَى») (الصُّخْرِ) ”اور اس نے پایا آپ کو حکم دست تو اس نے مالدار کیا۔“ («لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ») (الغاشیہ) ”وہ موٹا نہیں کرتا ہے اور نہ بے فکر کرتا ہے بھوک سے۔“

مُغْنِي (اسم الفاعل) : کام آنے والا بے پرواہ کرنے والا۔ («فَهُلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ») (ابراهیم: ۲۱) ”تو کیا تم لوگ دور کرنے والے ہو، ہم سے اللہ کے عذاب سے کچھ بھی؟“

إِسْتَغْنَيٌّ (استفعال) **إِسْتِغْنَاءُ**: (۱) بے نیازی اختیار کرنا۔ (۲) بے فکر و بے پرواہ سمجھنا۔ («فَكَفَرُوا وَتَوَلُوا وَأَسْتَغْنَى اللَّهُ») (التغابن: ۶) ”تو انہوں نے انکار کیا اور منہ موزرا اور بے نیاز ہوا اللہ۔“ («وَآمَّا مَنْ بَخِلَ وَأَسْتَغْنَى») (اللیل) ”اوڑو، جس نے بخل کیا اور بے پرواہوا۔“

قرکیب : مرکب تو صنی ”قول مَعْرُوف“ اور مفرد ”مَغْفِرَة“ یہ دونوں مبتداً نکرہ ہیں اور ”خَيْر“ اس کی خبر ہے۔ ”خَيْر“، افضل اتفاضل ہے اور ”من“ کے ساتھ آیا ہے اس لیے یہ واحد ہی رہے گا۔ ”صَدَقَةٌ“، نکره موصوفہ ہے۔ ”يَتَبَعُ“ کا فاعل ”أَذْيَ“ ہے اس لیے یہاں پر یہ مکالمہ امرفوع ہے۔

ترجمہ:

وَمَغْفِرَةٌ	: ایک بھلی بات
مِنْ صَدَقَةٍ	: ایے صدقے سے
أَذْى	: ستانا
غَنِيٌّ	: بے نیاز ہے
وَاللَّهُ	: اور اللہ
حَلِيمٌ	: بردار ہے

آیت ۲۶۲

۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتُكُمْ بِالْمُنْ وَالْأَذْى ۚ كَمَا الَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ فَمَنْ لَهُ كَمَلَ صَفْوَانِ عَلَيْهِ تُرْأَبُ فَاصَابَهُ وَأَبْلَى فَتَرَكَهُ صَلَدًا ۗ لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهِيدِ الْقَوْمَ الْكُفَّارِينَ ۝﴾

ت رب

ترب (س) ترباً : کسی چیز کو مٹی لگنا، خاک آ لود ہونا۔
مترتبہ : محتاج ہونا۔

مترتبہ (اسم ذات بھی ہے) : محتاجی۔ (اوْ مُسْكِنِنَا ذَا مَتَرَبَّةً) (البلد) "یا کسی مسکین محتاجی والے کو۔"

تراب (اسم ذات) : مٹی۔ آیت زیر مطالعہ۔

تریبۃ ح تراب : سینے کی پلی۔ (يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصَّلْبِ وَالْعَرَابِ) (الطارق) "وَهَذِهِ تریبۃ ح تراب ہے پیٹھ اور یہ سلیوں کے درمیان سے۔"

ترب ح تراب : ایک مٹی میں کھیلے ہوئے ہم عمر۔ (وَكَوَاعِبَ اتْرَاباً) (الباء) "اور ہم عمر عورتیں۔"

وب ل

وبل (ک) وبلا : کسی چیز کا سخت ہونا، نقصان دہ ہونا۔
وابل : بڑے بڑے اور وزنی قطروں والی بارش۔ آیت زیر مطالعہ۔

وَبَالْ : نقصان، بر انجام سزا۔ **﴿لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ﴾** (المائدہ: ٩٥) ”تاکہ وہ چھے سزا پنے کام کی۔“

وَبِيلُ (فَعِيلُ کے وزن پر صفت) سخت، نقصان دہ، مضر۔ **﴿فَاخْذُنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا﴾** (المرثیل) ”تو ہم نے پکڑا اس کو ایک سخت پکڑ میں۔“

صلدہ

صلدہ (ض) صلداً : سنجے سر کا چکنا، پھر کا چکنا اور چمکدار ہونا۔

صلدہ (اسم ذات بھی ہے) : چکنا اور چمکدار پھر۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب : **”يُنِفِقُ“** کا مفعول ”مالہ“ ہے جبکہ ”رَنَاءَ النَّاسِ“ حال ہونے کی وجہ سے منسوب ہے۔ ”وَلَا يُوْمِنُ“ کا ”واڈ“ حالیہ ہے۔ ”صَفْوَانٌ“ نکرہ موصوفہ ہے۔ ”تُرَابٌ“ مبتداً موخر نکرہ ہے۔ اس کی خبر ”مَوْجُودٌ“ محدود ہے اور ”عَلَيْهِ“ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ اس کی ضمیر ”صَفْوَانٌ“ کے لیے ہے۔ ”فَاصَابَهُ“ کی ضمیر مفعولی بھی ”صَفْوَانٌ“ کے لیے ہے اور اس کا فاعل ”وَأَبْلٌ“ ہے۔ ”صلدہاً“ حال ہے۔

ترجمہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ اَلْوَغُوا جو

لَا تُبْطِلُوا تِمَّ لَوْگ باطل مت کرو

بِالْمُنْتَنِى : احسان جتنے سے

كَالَّذِي : اس کی مانند جو

مَالَةً : اپنے مال کو

وَ : اس حال میں کہ

بِاللَّهِ : اللہ پر

فَمَثَلُهُ : تو اس کی مثال

عَلَيْهِ : جس پر

فَاصَابَهُ : پھر آگئی اس کو

امْنُوا : ایمان لائے

صَدَقَتِكُمْ : اپنے صدقات کو

وَالْأَدَى : اور ستانے سے

يُنِفِقُ : خرچ کرتا ہے

رَنَاءَ النَّاسِ : لوگوں کو دکھاتے ہوئے

لَا يُوْمِنُ : وہ ایمان نہیں لاتا

وَالْيَوْمُ الْآخِرُ : اور آخری دن

(آخرت) پر

كَمَلَ صَفْوَانٌ : ایک ایسے صاف

پھر کی مثال کی مانند ہے

تُرَابٌ : کچھ مٹی ہے

وَأَبْلٌ : ایک موٹی یوندوں والی بارش

فَتَرَكَهُ: تو اس نے چھوڑا اس کو
 صَلَدًا: چمکتا ہوا
 لَا يَقْدِرُونَ: وہ لوگ قابو نہیں پاتے
 عَلَى شَيْءٍ: کسی چیز پر
 تِيمًا: اس میں سے جو
 كَسْبُوا: انہوں نے کیا
 وَاللَّهُ أَوْرَثَنَا: اور اللہ
 لَا يَهْدِي: ہدایت نہیں دیتا
 الْقَوْمَ الْكُفَّارِينَ: تاشکری کرنے والے
 لَوْكُونَ کو

۲۶۵ آیت

﴿وَمَثْلُ الدِّينِ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ أَبْغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَشْبِيتًا مِنْ أَنفُسِهِمْ
 كَمَثْلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَأَبْلَى فَانْتَ أَكْلَاهَا ضِعْفَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يُصْبِهَا
 وَأَبْلَى قَطْلُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾

رب و

ربا (ن) رباء: کسی چیز کا اپنی جگہ سے بلند ہونا، اگنا، بڑھنا، ابھرنا۔ (وَتَرَى
 الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَرَّتْ وَرَبَّتْ) (الحج: ۵) ”اور تو دیکھتا ہے
 زمین کو مر جھائی ہوئی، پھر جب بھی ہم اتارتے ہیں اس پر پانی کو تو وہ لمبھائی ہے اور ابھرتی ہے۔“
 اربی (افعل تفصیل): زیادہ آگئے یا بڑھنے والا۔ (تَخْلُدُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلَهُ
 بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونُ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَلٌ مِنْ أُمَّةٍ) (النحل: ۹۲) ”تم لوگ بناتے ہو اپنی قسموں
 کو دھل دینے (کے بھانے) کے لیے آپس میں تاکہ ہو جائے ایک قوم زیادہ بڑھنے والی
 دوسری قوم سے۔“

راب (فاعل کے وزن پر اسم الفاعل): ابھرنے والا، بڑھنے والا۔ (فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ
 رَبَدًا رَأَيْمًا) (الرعد: ۱۷) ”تو اٹھایا بستے پانی نے ابھرنے والا کچھ جماگ۔“
 ریبا (اسم ذات): بڑھی ہوئی یا ابھری ہوئی چیز۔ اصطلاح اسود کے لیے استعمال ہوتا
 ہے۔ (إِنْمَحَقَ اللَّهُ الرِّبْوَا وَرَبِّي الصَّدَقَاتِ) (البقرة: ۲۷۶) ”مثاثا ہے اللہ سود کو اور
 بڑھاتا ہے صدقات کو۔“

ربوہ (اسم ذات): بلند جگہ نیلہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

آرٹی (افعال) اُرباءُ: بلند کرنا، بڑھانا۔ (يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبُّوَا وَيُرِّبِّي الصَّدَقَاتِ) (البقرة: ٢٧٦) ”مثاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو۔“

رَبِّی (تفعیل) تَرْبِیَةُ: بتدریج بلند کرتے رہنا، بڑھاتے رہنا، یعنی تربیت کرنا۔ (رَبِّ ارْخَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنَا صَغِيرًا) (الاسراء) ”اے میرے رب! تو رحم کر ان دونوں پرجیسا کہ ان دونوں نے تربیت کی میری بچپن میں۔“

طل ل

طل (ن) طَلَّا: شبتم پڑنا، پھوار پڑنا۔

طل (اکم ذات) : شبتم، پھوار۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب : ”يُنِفِّقُونَ“ کا مفعول ”أَمْوَالَهُمْ“ ہے جبکہ مرکب اضافی ”إِنْفَاعَةً مَرْضَاتِ اللَّهِ“ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ”مَرْضَاتِ“ کو لمبی ”تا“ سے لکھنا قرآن کا مخصوص املاء ہے۔ ”تَشْبِيَّا“ بھی حال ہے۔ ”جَنَّةً“ نکره مخصوصہ ہے۔ ”أَصَابَهَا“ کا فاعل ”وَأَبْلَى“ ہے اور اس کی ضمیر مفعولی ”جَنَّةً“ کے لیے ہے۔ ”فَاقَاتَ“ کی ضمیر فاعل ”ھی“ بھی ”جَنَّةً“ کے لیے ہے۔ ”ضَعْفَيْنِ“ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ”فَطَلَّ“ فعل مخدوف کا فاعل ہے، یعنی ”فَاصَابَهَا طَلَّ“۔

ترجمہ:

وَمَثُلُ الَّذِينَ اور ان لوگوں کی مثال جو يُنِفِّقُونَ: خرچ کرتے ہیں
أَمْوَالَهُمْ: اپنے ماں کو اِنْفَاعَةً مَرْضَاتِ اللَّهِ: اللہ کی رضا کی جستجو کرتے ہوئے

وَتَشْبِيَّاً: اور جہاتے ہوئے گھمٹل جَنَّةً: ایک ایسے باغ کی مثال کی مانند ہے جو

أَكْلَهَا: آگلی اس کو وَأَبْلَى: ایک موئی قطروں والی بارش بہرہوئہ: ایک میلے پر ہے فَاقَاتَ: تو اس نے دیا فَطَلَّ: کوئی موئی قطروں والی بارش ضَعْفَيْنِ: دوگنا

وَاللَّهُ أَوْرَادُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ
أَنْ تَعْلَمُوا مَا كُنْتُمْ تَفْعَلُونَ
وَاللَّهُ أَعْلَمُ
وَاللَّهُ أَعْلَمُ

آیت ۲۶۶

(إِيُّوبُ أَخْدُوكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ تَحْيِلٍ وَأَعْنَابٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَرُ، لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الشَّعَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبْرُ وَلَهُ فُرِيَّةٌ ضَعْفَاءُ
فَاصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاخْتَرَقَتْهُ كَذَلِكَ يَسِّينُ اللَّهُ لَكُمُ الْأَيْتُ لَعَلَّكُمْ
تَفَكَّرُونَ ﴿٢٦﴾)

ن خ ل

نَخْلَة (ن) نَخْلَة : آٹا چھان کر بھوسی الگ کرنا، اچھی چیز پسند کرنا۔

نَخْلٌ (اسم جنس) : واحد نَخْلَة، جمع نَخْلَة، ”بھروسی“، بھور کا درخت۔ (فِيهَا فَاكِهَةٌ

وَنَخْلٌ وَرَمَانٌ ﴿٣﴾) (الرحمن) ”ان دونوں میں ہیں کچھ میوے اور کچھ بھور اور کچھ انار۔“

﴿هُنْئِي إِلَيْكَ بِيَعْدُنَ النَّخْلَة﴾ (مریم: ۲۵) ”توہا اپنی طرف بھور کے جنے کو“
ع ص ر

عَصْرَ (ض) عَصْرًا : کسی چیز کا رس نچوڑنا، نچوڑنے کے لیے کسی چیز کو گھمانا، گردش دینا۔ (وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٣﴾) (یوسف) ”اور اس میں وہ لوگ رس نچوڑیں گے۔“

عَصْرٌ (اسم ذات) : زمانہ (کیونکہ یہ زمین کی گردش کا نچوڑ ہے) (وَالْعَصْرِ
إِنَّ الْإِنْسَانَ لِفِي خُسْرٍ ﴿٣﴾) (العصر) ”زمانے کی قسم! بے شک تمام انسان خسارے میں ہیں۔“

إِعْصَارٌ (اسم ذات) : بگولہ سائکلوں۔ آیت زیر مطالعہ۔

أَعْصَرَ (اعمال) إِعْصَارًا : بارش برسانا۔

مُعْصِرٌ (اسم الفاعل) : بارش برسانے والا، یعنی بادل۔ (وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ
مَاءً لَعَجَاجَاتِ ﴿٣﴾) (النیا) ”اور ہم نے اتارا بد لیوں سے کچھ پانی موسلا دھار۔“

ح ر ق

حَرَقَ (ن) حَرَقًا : کسی چیز کو جلانا۔

حریق: ہمیشہ اور ہر حال میں جلانے والا آگ کا شعلہ۔ «ذُوْقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ» (آل عمران) (آل عمران) ”تم لوگ چکمو شعلے کا عذاب۔“

حرق (تفعیل) تحریقاً : کثرت سے جلانا، جلا کر بھسم کر دینا۔ «النَّحْرُ فِتَهٌ ثُمَّ تَسْبِيْتَهُ فِي النَّيْمَ نَسْفَاً» (طہ) ”هم لازماً جلا کر بھسم کریں گے اس کو پھر ہم لازماً بھیریں گے اس کو پانی میں جیسے بھیرتے ہیں۔“

حرق (فعل امر) : تو جلا کر بھسم کر۔ «قَالُوا حَرِيقُوهُ وَانْصُرُوا إِلَهَكُمْ» (الانبیاء: ۶۸) ”ان لوگوں نے کہا تم لوگ جلا کر بھسم کرو اس کو اور تم لوگ مد کرو اپنے معبودوں کی۔“

احترق (اتعال) احترواً : اہتمام سے جلانا، جل کر بھسم ہونا۔ آیت زیر مطالعہ۔

توكیب : ”بَوْدَ“ کا فاعل ”أَحَدُكُمْ“ ہے۔ ”أَنْ تَكُونَ“ کا اسم ”جَنَّةٌ“ ہے اس کی خبر مخدوف ہے اور ”لَهُ“ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ ”تَجْرِيْ“ کا فاعل ”الْأَنْهَرُ“ ہے یہ غیر عاقل کی جمع مكسر ہے اس لیے فعل واحد مؤنث آیا ہے۔ ”لَهُ“ خبر مخدوف کی قائم مقام خبر مقدم ہے۔ ”فِيهَا“ اور ”مِنْ كُلِّ الشَّمَوْاتِ“ متعلق خبر ہیں اور مبتدأ بھی مخدوف ہے جو ”تصیب“ ہو سکتا ہے۔ ”وَأَصَابَهُ“ کی ضمیر مفعولی ”أَحَدُكُمْ“ کے لیے ہے اور ”الْكَبِيرُ“ اس کا فاعل ہے۔ مرکب توصیفی ”ذُرِيَّةٌ ضُعْفَاءُ“ مبتدأ موصکرہ ہے، خبر مخدوف ہے اور ”لَهُ“ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ ”ذُرِيَّةٌ“ یہاں جمع کے مفہوم میں آیا ہے۔ ”فَاحْتَرَقَ“ کا فاعل اس میں ”ہیَ“ کی ضمیر ہے جو ”جَنَّةٌ“ کے لیے ہے۔

ترجمہ:

أَحَدُكُمْ : تم میں کا (کوئی) ایک	بَوْدَ : کیا چاہتا ہے
تَكُونَ : ہو	أَنْ : کہ
جَنَّةٌ : ایک باغ	لَهُ : اس کے لیے
وَأَعْنَابٌ : اور کچھ انگوروں سے	مِنْ تَجْرِيْلٍ : کچھ تکمیلوں سے
مِنْ تَعْرِيْهَا : ان کے نیچے سے	تَجْرِيْ : بہتی ہوں
لَهُ : اس کے لیے ہو	الْأَنْهَرُ : نہریں
مِنْ كُلِّ الشَّمَوْاتِ : تمام پھلوں میں	فِيهَا : اس میں
سے (ایک حصہ)	

الْكَبِيرُ : بڑا ہاپا
 لَهُ : اس کی ہوں
 فَاصَابَهَا : پھر آگے اس کو
 فِيهِ : جس میں ہو
 فَاحْتَرَقَتْ : پس وہ بھرم ہو
 مُسْتَبْدِلٌ : واضح کرتا ہے
 لَكُمْ : تم لوگوں کے لیے
 لَعَلَّكُمْ : شاید کہ
 وَآصَابَهُ : اور آگے اس کو
 وَإِنْ حَالَ مِنْ كَه
 ذُرْيَةٌ ضُعْفَاءُ : کچھ کمزور اولادیں
 إِعْصَارٌ : ایک بگول
 نَارٌ : ایک آگ
 كَذَلِكَ : اس طرح
 اللَّهُ : اللہ
 الْأَيَّتِ : نہ نیوں کو
 تَسْفِكُرُونَ : تم لوگ سوچ و بچار کرو

نوٹ (۱) : سائلوں میں ہوا کی گردش سے جو بھلی پیدا ہوتی ہے اسے اس آیت میں
 آگ کہا گیا ہے کیونکہ وہ بھلی جب کسی چیز پر گرتی ہے تو اسے جلا کر بھرم کر دیتی ہے۔

۲۶ آیت

«يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفَقُوا مِنْ طَيِّبٍ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ
 الْأَرْضِ وَلَا تَيْمَمُوا الْحَسْبَرَ هُنَّةٌ تُنْفِقُونَ وَلَمْسُتُمْ بِالْعِدْلِيَّةِ إِلَّا أَنْ
 تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ (۱۳۶)»

یہم

یہم (ن) یہما : کسی چیز کو پانی میں ڈالنا۔
 یہم (اسم ذات) : پانی۔ (فَأَغْرَقْتُهُمْ فِي الْيَمِّ) (الاعراف: ۱۳۶) ”تو ہم نے ڈبو یا
 ان کو پانی میں ڈالا۔“

تیمَمَ (تفعل) تیمَمًا : کسی چیز کا قصد کرنا، ارادہ کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

خوب ث

خبُّ (ک) خبائة : گند اور تاپاک ہونا، ناکارہ اور روتی ہونا۔ (وَالَّذِي خَبَّ لَهُ
 يَخْرُجُ إِلَّا نَكَدًا) (الاعراف: ۵۸) ”اور جو ناکارہ ہو اس سے نہیں نکلتا مگر مشکل سے۔“
 خبیث (قَعِيلٌ کے وزن پر صفت) : گند، ناکارہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

غَمْضٌ (ن) غَمُوضًا : نیند کا جھونکا آتا۔
أَغْمَضَ (فعال) إِغْمَاضًا : آنکہ بند کرنا، چشم پوشی کرنا، غفلت برنا۔ آیت
زیر مطالعہ۔

توكیب: ”طیب“ مضاف ہے اور ”ما“ اس کا مضاف الیہ ہے۔ ”لَسْتُمْ“ کا
اسم اس میں شامل ”انتم“ کی ضمیر ہے اور ”بِالْعِذْيْنِ“ اس کی خبر ہے۔ یہ ”بِالْعِذْيْنِ“ تھا
مضاف ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گرا ہوا ہے۔

ترجمہ:

أَمْوَأَا : ایمان لائے	يَأْتِيهَا الْدِّيْنُ : اے لوگو! جو
مِنْ طَيِّبَاتِهَا : اس کے پاکیزہ میں سے جو	أَنْفِقُوا : تم لوگ خرچ کرو
وَرَمَّا : اور اس میں سے جو	كَسْبَتُمْ : تم لوگوں نے کمایا
لَكُمْ : تمہارے لیے	أَخْرَجُنَا : ہم نے نکالا
وَلَا تَيْمَمُوا : اور تم لوگ ارادہ مت کرو	مِنَ الْأَرْضِ : زمین سے
مِنْهُ : اس میں سے (جس سے)	الْخَيْبَةُ : تاکارہ کا
وَلَسْتُمْ : حالانکہ تم لوگ نہیں ہو	تُنْفِقُونَ : تم لوگ خرچ کرتے ہو
إِلَّا أَنْ : مگر یہ کہ	بِالْعِذْيْنِ : اس کو پکڑنے والے
فِيهِ : اس سے	تَغْمِضُوا : تم چشم پوشی کرتے ہو
أَنْ : کہ	وَاعْلَمُوا : اور جان لو
غَنِّيٌّ : بے نیاز ہے	اللَّهُ : اللہ
	حَمِيدٌ : حمد کیا ہوا ہے

آیت ۲۶۸

(الشَّيْطَنُ يَعْدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعْدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ
وَلَكُلُّ دُلُّ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلَيْهِ ﴿٢٦﴾)

ف ق ر

فَقْرَ (ن) فَقُورًا : كَهُودُنَا، تُوڑُنَا -

فَاقِرٌ (اسم الفاعل) : تُورّنے والا۔ **«تُطْهِنُ أَنْ يُعْكَلَ بِهَا فَاقِرًا»** (القيمة) ”وہ
گمان کرس گئے کہ کیا جائے گا ان سے تُورّنے والا کام۔“

فَقْهٌ (ک) **فَقْهًا** : محتاج ہونا، مفلس ہونا۔

فقه (اسم ذات) : محتاجی، مفسی - آیت زیر مطالعه -

فَقِيرٌج فُقَرَاءُ (فَعِيلُ کے وزن پر صفت) : محتاج، مغلس۔ (وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا
فَلْيَاكُلْ بِالْمَعْرُوفِ) (النساء: ٦) ”اور جو ہمحتاج توا سے چاہیے کہ وہ کھائے دستور کے
مطابق۔“ (يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ) (فاطر: ١٥) ”اے لوگو! تم لوگ محتاج
ہو اللہ کے۔“

ترکیب : ”تَعْدُ“ کا فاعل اس میں ”ہو“ کی ضمیر ہے جو ”الشیطُن“ کے لیے ہے۔ ”کُم“ کی ضمیر اس کا مفعول اول ہے اور ”الْفَقْرُ“ مفعول ثانی ہے۔ اس کے آگے ”تَعْدُ“ کا فاعل اس میں ”ہو“ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔ ”کُم“ مفعول اول ہے، جکہ ”مَغْفِرَةً“ اور ”كُضْلًا“ دونوں مفعول ثانی ہیں۔

تُرجمَة

يَعْدُ : وعده و دیتا ہے

الشَّيْطَانُ : شَيْطَانٌ

الفقر : مفلسی کا

کم تھم لوگوں کو

کُم : تم لوگوں کو

وَيَأْمُرُونَ: اور ترغیب دیتا ہے

وَاللّٰهُ اور اللہ

تَعْدُ: وَعْدَهُ كَرِتَّاَيْ

مٹھہ: اس سے (یعنی اپنی)

مُعْتَدِلٌ

وَاللّٰهُ اَوْرَانَهُ

وَقَضَلَّا: أَوْ (أَنْ) فَضْلٌ كَا

عَلِيُّمْ: حَانَةٌ وَالاَبَعَدُ

وَاسِعٌ : وَسْعَتْ دَالَّاتِ

۲۶۹ آیت

﴿يُوتَى الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُوتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتَى خَيْرًا كَثِيرًا
وَمَا يَدْعُكُر إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابُ﴾

توكیب: ”یوتی“ کا فاعل اس میں ”ہو“ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔ ”الْحِكْمَةَ“ اس کا مفعول اول ہے اور ”من“ مفعول ثانی ہے۔ اس کے آگے ”وَمَنْ“ شرطیہ ہے۔ ”یُوتَ الْحِكْمَةَ“ شرط ہے اور ”فَقَدْ أُوتَى خَيْرًا كَثِيرًا“ جواب شرط ہے۔ شرط ہونے کی وجہ سے مضارع مجھول ”یوتی“ بھروسہ ہوا تو ”یا“ گرگئی اور ”یُوتَ“ باقی بچا۔ اس کا نائب فاعل اس میں ”ہو“ کی ضمیر ہے جو ”من“ کے لیے ہے جبکہ ”الْحِكْمَةَ“ مفعول ثانی کی وجہ سے منسوب ہے۔ ”أُوتَى“ ماضی مجھول ہے اور جواب شرط ہونے کی وجہ سے مخلاف بھروسہ ہے۔ اس کا نائب فاعل بھی اس میں ”ہو“ کی ضمیر ہے جو ”من“ کے لیے ہے جبکہ ”خَيْرًا كَثِيرًا“ مفعول ثانی ہے۔

ترجمہ:

الْحِكْمَةَ : داناٰی	يُوتَى : وہ دیتا ہے
يَشَاءُ : وہ چاہتا ہے	مَنْ : اس کو جس کو
يُوتَ : دی جاتی ہے	وَمَنْ : اور جس کو
فَقَدْ أُوتَى : تو اس کو دی گئی ہے	الْحِكْمَةَ : داناٰی
وَمَا يَدْعُكُرُ : اور نصیحت نہیں حاصل کرتے	خَيْرًا كَثِيرًا : ایک کثیر بھلانی
أُولُوا الْأَلْبَابُ : سو جھو بجھو والے لوگ	إِلَّا : گر

۲۷۰ آیت

﴿وَمَا أَنْفَقْتُم مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ
مِنْ أَنْصَارٍ﴾

توكیب: ”وَمَا أَنْفَقْتُم“ میں ”ما“ موصولہ شرطیہ ہے۔ ”أَنْفَقْتُم“ سے ”مِنْ
نَذْرٍ“ تک شرط ہے۔ اس میں افعال ماضی استعمال ہوئے ہیں، اس لیے ان پر بھروسہ ہونے کا

عمل ظاہر نہیں ہوا اور وہ جملہ مجبود ہیں۔ ”فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ“ پورا جملہ جواب شرط ہے اور یہ پورا جملہ مجبود ہے اس لیے اس میں استعمال ہونے والا فعل مضارع ”يَعْلَمُ“ مجبود نہیں ہوا۔ اگر جواب شرط میں فعل مضارع آتا ہے مجبود ہوتا۔ اس وقت جملہ اس طرح ہوتا ”فَيَعْلَمُ اللَّهُ“۔ ”وَمَا لِلظَّالِمِينَ“ میں ”ما“ نافیہ ہے۔ اس کا اسم ”مِنْ أَنْصَارٍ“ ہے جو مبتدأ موزن کر کے طور پر آیا ہے اور ”لِلظَّالِمِينَ“ قائم مقام خبر ہے۔

ترجمہ:

أَنْفَقْتُمْ	: تم لوگ خرچ کرتے ہو	وَمَا	: اور جو
أَوْ نَذَرْتُمْ	: یامن مانتے ہو	مِنْ نَفْقَةٍ	: کسی قسم کا خرچ
فَإِنَّ اللَّهَ	: تو یقیناً اللَّه	مِنْ نَذْرٍ	: کسی قسم کی منت
وَمَا	: اور نہیں ہیں	يَعْلَمُهُ	: جانتا ہے اس کو
لِلظَّالِمِينَ	: ظلم کرنے والوں کے لیے	مِنْ أَنْصَارٍ	: کسی قسم کے مدگار

نوٹ (۱) : احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں منت ماننے کو مستحسن نہیں قرار دیا گیا ہے۔ لیکن کوئی شخص اگر منت مان بیٹھے اور اس میں کسی شرعی قباحت کا کوئی پہلو نہ ہو تو اس کو پورا کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ (تدریس قرآن)

ہر اتفاق اور منت کا عمل بھی اللہ کے علم میں ہوتا ہے اور ان کے پیچھے پوشیدہ جذبے اور نیت کو بھی اللہ جانتا ہے۔ یہ اعمال اگر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہوں بلکہ جذبے اور نیت میں کوئی فتور ہو تو پھر ایسے عمل کرنے والوں کو یہاں ظالم کہا گیا ہے۔



خَيْرُكُمْ مَنْ تَعْلَمَ الْقُرْآنَ وَعَلِمَهُ

”تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سکھے اور اس سکھائے۔“

(رواه البخاری، عن عثمان بن عفان رضي الله عنه)

فرمان

نبوی سنت

تکبر کا انجام

درس : پروفیسر محمد یوسف جنوبی

عَنْ عُمَرَ حَدَّثَنَا قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمُنْبَرِ : يَا أَيُّهَا النَّاسُ تَوَاضَعُوا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : ((مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفِيقَهُ اللَّهُ فَهُوَ فِي نَفْسِهِ صَغِيرٌ وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيمٌ ، وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللَّهُ فَهُوَ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيرٌ وَفِي نَفْسِهِ كَبِيرٌ حَتَّى لَهُوَ أَهُونُ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ أُوْخَذِينِ))^(۱)

"حضرت عمر بن الخطاب نے ایک دن خطبہ میں برس مرتبہ فرمایا: لوگو! فروتنی اور خاکساری اختیار کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنائے ہیں، آپ فرماتے تھے: "جس نے اللہ کے لیے (یعنی اللہ کا حکم سمجھ کر اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے) خاکساری کارو یہ اختیار کیا (اور بندگان خدا کے مقابلہ میں اپنے آپ کو اونچا کرنے کے بجائے نچار کھنے کی کوشش کی) تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرے گا، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ اپنے خیال اور اپنی نگاہ میں تو چھوٹا ہو گا، لیکن عام بندگان خدا کی نگاہوں میں اونچا ہو گا۔ اور جو کوئی تکبر اور بڑائی کارو یہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو نیچا گرادے گا، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و حقیر ہو جائے گا۔ وہ اپنے خیال میں تو بڑا ہو گا، لیکن دوسروں کی نظر میں وہ کتے اور خزیری سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقت ہو جائے گا۔"

انسان کا مبتکر ارشاد رویہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، بلکہ وہ عاجزی اور اکساری کو پسند کرتا ہے۔ تکبر انسان کو زیب ہی نہیں دیتا، کیونکہ وہ تو طرح طرح کی کمزوریوں کا مجموعہ ہے۔ کم ظرف انسان کو جب اللہ تعالیٰ کسی دنیاوی نعمت سے نوازتا ہے تو اُس کے اندر تکبر پیدا ہو جاتا ہے، جبکہ صالح انسان کو جوں جوں نعمتیں ملتی ہیں وہ تو اوضع اور اکساری اختیار کرتا چلا جاتا ہے اور منعم حقیقی

(۱) رواہ البیهقی فی شعب الایمان۔

کا شکر بجالاتا ہے۔

مکابر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کی شان کے لائق ہے۔ صرف وہی مکابر ہے۔ اگر انسان مکابر کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ جس نعمت پر بھی اس کو ناز ہوتا ہے وہ ناپاسیدار ہوتی ہے۔ پھر عارضی اور وقتی خوبی پر اترانا تو زرا بھی عقل مندی نہیں۔ مکابر اور کبریائی تو صرف ذات خداوندی کو ہی سزاوار ہے، جو بے پایاں صفات کا مالک ہے اور اس کی ہر صفت ذاتی اور پاسیدار ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا جام جاذب کر رہے ہیں:

﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَوْهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (الجاثیة)

”اور اسی کے لیے کبریائی اور بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔“

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہتائ کو ہے
حکمران ہے اک وہی باقی بتان آزری

انسان کو تو عاجزی ہی زیب دیتی ہے۔ وہ تو ہر چیز کے لیے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ صحت و تند رتی، خوشحالی اور تو گنگری، عزت و عظمت غرضیکہ انسان کو ملنے والی ہر خوبی اللہ ہی کا عطیہ ہے۔ وہ جب چاہے اپنی نعمت واپس لے سکتا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ بڑے بڑے تو مند اور پہلوان آنا فنا سوکھ کر تباہ ہو جاتے ہیں۔ عظمت کی بلندیوں کو چھوٹے والے چشم زدن میں بے وقت ہو جاتے ہیں۔ دولت مند جس دولت پر اتراتے ہیں اسے جاتے ہوئے درینہیں لگتی۔ پھر ان نعمتوں پر مکابر کیسا؟ اللہ تعالیٰ کے سامنے تو بندہ عاجز اور بے بس ہے۔ انسان کا عام طور پر بھی عاجزانہ رویہ ہی پسندیدہ ہے۔ اس کا طرزِ عمل عام لوگوں کے ساتھ تو واضح اور اکساری کا ہونا چاہیے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جو شخص اللہ کی رضا کے لیے تو واضح اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عظمت اور شرف سے نوازتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بندہ جو اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے، لوگوں کی نگاہوں میں وہ عظیم ہو جاتا ہے۔ لوگ اس کی عزت و توقیر کرتے اور اس کا احترام بجالاتے ہیں، اس کی خوبیوں کا چرچا ہونے لگتا ہے اور وہ بندہ معاشرے میں ہر دلخیز ہو جاتا ہے۔

اس کے بر عکس جو شخص مکابر اور رویہ اپنا تاہے اللہ تعالیٰ اس کو نیچے کر دیتا ہے، پھر اس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ وہ تو خود کو بڑا سمجھ رہا ہوتا ہے مگر لوگوں کی نگاہوں میں وہ چھوٹا اور ذلیل ہو

جاتا ہے، یہاں تک کہ لوگ اسے کتے اور خنزیر سے بھی بدتر سمجھنے لگتے ہیں۔

متواضع شخص چونکہ دوسروں کو حقیر نہیں سمجھتا، ہر ایک کو اچھا اور قبل احترام جانتا ہے، لہذا اس شخص کو ہر آدمی آزادانہ مل سکتا ہے وہ کسی کی پیش سے باہر نہیں ہوتا۔ اس کا ہر ملاقاتی اس سے مل کر خوش ہوتا ہے، کیونکہ وہ کسی کا دل نہیں دکھاتا اور کسی کو حقیر اور کمزور ہونے کا احساس نہیں دلاتا، بلکہ اس کے سامنے خود کو چھوٹا ظاہر کرتا ہے۔ متواضع شخص کا یہ روایہ اسے ہر دفعہ زیز بنا دیتا ہے۔ ایسا شخص کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں کرتا۔ سب لوگ اس سے امن میں ہوتے ہیں اور کوئی بھی اس کی طرف سے کسی طرح کا خطرہ محسوس نہیں کرتا۔

اس کے برعکس متکبر آدمی خود کو بڑا سمجھتا ہے اور دوسروں کو اپنے سے کمتر اور حقیر جانتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں، اس کے ملاقاتی اس سے ملتے وقت خوف زدہ ہوتے ہیں وہ اپنی بڑائی ثابت کرنے کے لیے لوگوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کا روایہ روارکھتا ہے۔ اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لیے اپنی تعریفیں کرتا، ذمہ داریں مارتا اور خوبیاں بیان کرتا ہے۔ لوگ اس کی خودستائی کو پسند نہیں کرتے بلکہ اس کے رعب و داب سے نفرت کرتے ہیں۔ اگرچہ کچھ لوگ مصلحت اس کی بڑائی کو اس کے سامنے تسلیم کر لیتے ہیں، مگر حقیقت میں وہ اس سے بیزاری ہوتے ہیں۔ ایسے شخص کے لیے دوسروں کے دل میں کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ ایسا آدمی خود کو دوسروں کے مقابلے میں بڑا سمجھ رہا ہوتا ہے، مگر لوگوں کی نگاہوں میں اس کی کچھ عزت نہیں ہوتی، یہاں تک کہ لوگ اس سے اس قدر نفرت کرتے ہیں کہ اسے کتے اور خنزیر سے بھی بدتر سمجھتے ہیں۔

حکمر رذائل اخلاق میں سے ایک بہت بڑی بڑائی ہے جبکہ تواضع و اکساری فضائل اخلاق میں سے ایک نمایاں صفت ہے۔ رسول اللہ ﷺ عظمت کی معراج پر ہونے کے باوجود انتہائی متواضع اور منکر امراض تھے۔ آپ سید ولاد آدم تھے، مگر آپ کو یہ پسند نہیں تھا کہ جب آپ داخل ہوں تو دوسروںے آپ کے سامنے اٹھ کر کھڑے ہو جائیں۔ آپ اپنے صحابہ کرام ﷺ میں اس طرح کھل مل کر بیٹھتے کہ باہر سے آنے والا معلوم نہ کر سکتا کہ مجلس میں اللہ کے رسول ﷺ کوں ہیں۔ ایک بار صحابہ نے گزارش کی کہ آپ کے لیے خصوصی نشست کا اہتمام کر دیں، مگر آپ نے اجازت نہ دی۔ آپ کی یہ اکساری اللہ کی رضا کے لیے تھی اور اللہ نے آپ کو مقام حمودت بلند کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی انسانوں کے لیے اُسوہ حسنہ ہے۔ چنانچہ افراد امت کے لیے بھی عاجزانہ اور اکساری کا روایہ یعنی پسندیدہ ہے۔

سب سے پہلا مسکبِ ابلیس تھا جو تکبر کی وجہ سے ملعون تھہرا:۔
تکبر عزازیل را خوار کرد

بے زندان لعنت گرفتار کرد

کسی شخص کو زیب نہیں دیتا کہ وہ ابلیس کی پیروی کرتا ہوا تکبر کرے اور ذلت کی گھبرائی میں گر جائے۔ تکبر کی برائی میں رسول اللہ ﷺ کے یہ القاظ بہت کافی ہیں:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِنْقَالٌ ذَرَّةٌ مِّنْ كَبْرٍ))^(۱)

”وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برا بر بھی تکبر ہو گا۔“

معاشرے میں مالک اور نوکر، آقا و غلام، افسر اور ماتحت، دینے والا اور سوالی اگرچہ دنیاوی مرتبے کے اعتبار سے برابر نہیں ہیں، مگر اولاد آدم ہونے کے اعتبار سے تو برابر ہیں۔ اس لیے مالک اپنے نوکر کو آقا اپنے غلام کو اور افسر اپنے ماتحت کو حقرنہ جانے اور نہ اس کو ذلیل اور رسوائی سمجھئے کیونکہ کیا معلوم کہ یہ چھوٹے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان بڑوں سے زیادہ عزت والے ہوں۔

اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کو نہ مانتا اور اس کے مقابلہ میں اپنے نفس کی خواہشات پر عمل کرنا سب سے بڑا تکبر ہے۔ ایسا کرنے سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ اللہ کے حکم کو کمتر اور اپنی خواہش نفس کو برتر سمجھا جا رہا ہے اور یہ بدترین خللم ہے۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحريم الكبر و بيانہ۔

دعوت رجوع الى القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبول عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 30 روپے اشاعت عام: 15 روپے

قرآن میں حذف لور اُس کی اقسام

حافظ محمد زیر*

(گزینہ سے بیوستہ)

یہ ضمنون امام سیوطی کی کتاب "الاتفاق" اور امام زکریٰ کی کتاب "البرهان" سے
ماخذ ہے۔

(xiii) مبدل منه کا حذف: اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ حذف کی یہ قسم قرآن میں موجود
ہے یا نہیں۔ جو علماء اس کے قرآن میں ہونے کے قائل ہیں وہ درج ذیل آیت کو بطور مثال
بیان کرتے ہیں:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِيفُ الْسِّتَّكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَلٌ وَهَذَا حَوَامٌ﴾
(الحل: ۱۱۶)
”اور تم کہو جس کو تمہاری زبان میں جھوٹ بیان کرتی ہیں، کہ یہ حلال ہے اور یہ
حرام ہے۔“

اس آیت مبارکہ کی تقدیر عبارت یوں ہے: ”وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِيفُ الْسِّتَّكُمُ
الْكَذِبَ هَذَا حَلَلٌ وَهَذَا حَوَامٌ“۔ اس آیت مبارکہ میں ’ۃ‘ ضریر مبدل منه مخدوف ہے
اور ’الْكَذِبَ‘ اس کا بدل ہے جو کہ آیت میں موجود ہے۔

(xiv) وصول کا حذف: اس کی مثال قرآن میں درج ذیل آیت مبارکہ ہے:
﴿إِنَّمَا يَنْهَا اللَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْنَا وَأَنْزَلَ إِلَيْكُمْ﴾ (العنکبوت: ۴۶)
”هم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور (جو) تمہاری طرف نازل
کیا گیا۔“

اس آیت مبارکہ میں ’ۃ‘ اسم وصول مخدوف ہے۔ اس آیت کی تقدیر عبارت یوں ہے:
☆ ریسرچ فیلڈ فوجہہ تحقیق اسلامی قرآن اکیڈمی لاہور

امَّا بِالَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْنَا وَالَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمْ -
 (xv) مخصوص بالدرج يا مخصوص بالذم کا حذف: اس کی مثال درج ذیل آیت

مبارکہ ہے:-

(نَعَمُ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَابٌ ﴿٢﴾) (ص)

”کیا ہی خوب بندہ تھا (ایوب)“ بے شک وہ بہت زیادہ رجوع کرنے والا تھا۔

اس آیت میں ”نعم“ فعل درج ہے جبکہ ”الْعَبْدُ“ اس کا فاعل ہے اور مخصوص بالدرج (جس کی درج کی جاری ہے) مخدوف ہے۔ اس آیت کی تقدیر عبارت یوں ہے: **نَعَمُ الْعَبْدُ أَيُوبُ إِنَّهُ أَوَابٌ**، اسی طرح آیت مبارکہ **(فَقَدَرْنَا فَيَعْمَلُ الْقَدِيرُونَ نَعْنُ**) (المرسلات) کی تقدیر عبارت **فَقَدَرْنَا فَيَعْمَلُ الْقَدِيرُونَ نَعْنُ** ہے اور **(وَلَيَعْمَلُ دَارُ الْمُتَقْبِينَ ﴿٦﴾) (النحل)** کی تقدیر عبارت **وَلَيَعْمَلُ دَارُ الْمُتَقْبِينَ الْعَجَنَةُ** ہے۔ آیت **(لِبْسَ الْمَوْلَى وَلَيَسْتَعْشِرُ ﴿٧﴾) (الحج) میں بُشَّر، فعل ذم ہے جبکہ ”الْمَوْلَى“ اور ”الْعَشِير“ اس کے فاعل ہیں اور مخصوص بالذم (یعنی جس کی ذمہ کی جاری ہے) مخدوف ہے۔ بعض اوقات فعل درج و ذم کا فاعل اور مخصوص بالدرج والذم دونوں ہی مخدوف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آیت مبارکہ **(لِبْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلَ ﴿٨﴾) (الکھف)** میں ہے جس کی تقدیر عبارت **بُشَّ الْبَدْلِ إِلَيْسُ وَفَرِيَتَهُ لِلظَّالِمِينَ بَدَلَ** ہے۔**

(xvi) ضمیر منصوب متصل کا حذف: اس کی مثال درج ذیل آیت ہے:

(أَهَلًا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿١٣﴾) (الفرقان)

”کیا یہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر سمجھا ہے؟“

اس آیت میں ”بَعَثَ“ کے بعد ”ۃ“ ضمیر منصوب متصل مخدوف ہے۔ آیت کی تقدیر عبارت یوں ہے: **أَهَلًا الَّذِي بَعَثَهُ اللَّهُ رَسُولًا**۔

(xvii) مفعول کا حذف: اس کی مثال قرآن کی درج ذیل آیت ہے:

(فَلَدُوْقُوا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمَ مُكْمُمُ هَذَهُ ﴿١٤﴾) (السجدة)

”پس تم چکو (عذاب کو) بسب اس کے کرم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔“

اس آیت مبارکہ میں ”الْعَذَابَ“ مفعول مخدوف ہے۔ اسی طرح آیت **(فَعَالُ لِمَا يُوْمِنُهُ ﴿١٥﴾)**

(البروج) کی تقدیر عبارت فَعَالٌ لِمَا يُرِيدُهُ، ہے۔ آیت «فَغَشَاهَا مَا غَشَى إِنَّهُ» (النجم) کی تقدیر عبارت فَغَشَاهَا إِيَّاهُ مَا غَشَى، ہے۔ آیت «اللَّهُ يُسْطِعُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِيرُ» (الرعد: ۲۶) اور «قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَّحِمَهُ» (هود: ۴۳) اور «وَسَلَمٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَيْتُمْ» (النمل: ۵۹) اور «إِنَّ شُرَكَاءَ إِيَّ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ» (القصص) میں آخر میں فعل کے متصل بعد 'ہ' خیر مفعول مذوف ہے۔ اسی طرح آیت «عَلَىٰ أَنْ تَأْجُرَنِي» (القصص: ۲۷) کی تقدیر عبارت 'عَلَىٰ أَنْ تَأْجُرَنِي نَفْسَكَ' ہے۔ آیت «فَإِذَا أَفْضَتُمْ مِنْ عَرَفَتِي» (البقرة: ۱۹۸) کی تقدیر عبارت 'فَإِذَا أَفْضَتُمُ الْأَنْفُسَكُمْ مِنْ عَرَفَاتِي' ہے۔ آیت «إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرَيْتِي» (ابراهیم: ۳۷) کی تقدیر عبارت 'إِنِّي أَسْكَنْتُ نَاسًا مِنْ ذُرَيْتِي' ہے۔ آیت «يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ» (ابراهیم: ۴۸) کی تقدیر عبارت 'يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ غَيْرَ السَّمَوَاتِ' ہے۔ آیت «قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ» (بین اسراء یا: ۱۱۰) کی تقدیر عبارت 'قُلْ ادْعُوهُ اللَّهَ أَوْ ادْعُوهُ الرَّحْمَنَ' ہے، کیونکہ 'دعا' بمعنی تسلیہ و مفعولوں کی طرف متعدد ہوتا ہے۔ آیت «كَبَّ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرَسُولِيُّ» (المجادلة: ۲۱) کی تقدیر عبارت 'كَبَّ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ الْكُفَّارَ أَنَا وَرَسُولِيُّ' ہے۔ آیت «وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَيْهِ دَارِ السَّلَمِ» (یونس: ۲۵) کی تقدیر عبارت 'وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَيْهِ كُلَّ أَحَدٍ إِلَيْ دَارِ السَّلَامِ' ہے۔ آیت «يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ» (الرعد: ۳۹) کی تقدیر عبارت 'يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ مَا يَشَاءُ' ہے۔ آیت «فَهُلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ» (الاعراف: ۴) کی تقدیر عبارت 'فَهُلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ' ہے۔ آیت «مَا وَدَعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَّ» (الصُّحْنِ) کی تقدیر عبارت 'مَا وَدَعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَّ' ہے۔

بعض افعال ایسے ہیں جن کے مفہیں قرآن میں عموماً مذوف ہوتے ہیں۔ مثلاً 'شاء' فعل کا مفعول قرآن میں اکثر اوقات مذوف ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیات «وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَى» (الانعام: ۳۵) اور «وَلَوْ شَاءَ لَهُدَاكُمْ أَجْمَعِينَ» (التحل) اور «قَانُ يَشَا اللَّهُ يَخْتِمُ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ» (الشوری: ۲۴) اور «مَنْ يَشَا اللَّهُ يُضْلِلُهُ» (الانعام: ۳۹) اور «وَلَوْ شِئْنَا لَأَتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًى لَهَا» (السجدة: ۱۳) اور «وَلَوْ شَاءَ

اللَّهُ لَذَّهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ» (البقرة: ٢٠) میں ہے۔ اسی طرح «صَبَرَ»، فعل کا مفعول بھی عموماً مخدوف ہوتا ہے جیسا کہ آیت «فَاصْبِرُوا أَوْلَى تَصْبِرُوا» (الطور: ١٦) میں ہے۔ فعل رَأَى، کامفعول بھی قرآن میں بعض اوقات مخدوف ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت «أَعِنْدَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَى» (النجم) میں ہے۔ اس آیت میں «يَرَى» کے دو مفعول مخدوف ہیں اور تقدیر عبارت «أَعِنْدَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَى الْغَائِبَ حَاضِرًا» ہے۔ فعل «وَعَدَ» بھی دو مفعولوں کی طرف متعدد ہوتا ہے۔ اس کا بھی قرآن میں بعض اوقات ایک ہی مفعول ملتا ہے۔ جیسا کہ آیت «وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصِّلَاةَ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ» (النور: ٥٥) میں ہے۔ فعل «اتَّخَذَ» ایک مفعول کی طرف بھی متعدد ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت «لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهُمَا لَاتَّخِذُنَّهُ مِنْ لَدُنَّا» (الأنبياء: ١٧) اور «وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ إِلَهَةً» (الفرقان: ٣) اور «إِمَّا اتَّخَذَ مِمَّا يَعْلَقُ بَنَتِ» (الزخرف: ١٦) میں ہے اور دو مفعولوں کی طرف بھی متعدد ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت «اتَّخَذُوا إِيمَانَهُمْ جُنَاحَةً» (المتفقون: ٢) اور «لَا تَعْلِمُوا عَدُوِّي وَعَدُوُّكُمْ أَوْلَيَاءُ» (المتحدة: ١) اور «فَاتَّخَذُتُمُوهُمْ سِخْرِيَّةً» (المؤمنون: ١١٠) میں ہے۔ بعض اوقات «اتَّخَذَ» کا ایک مفعول مخدوف ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت «ثُمَّ اتَّخَذُتُمُ الْعِجْلَ» (البقرة: ٥١) اور «اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَلِيمِينَ» (الاعراف) اور «إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ» (الاعراف: ١٥٢) میں ہے۔ ان آیات میں «اتَّخَذَ» کا مفعول ثانی «إِلَهًا» مخدوف ہے۔ عموماً آیات کے آخر میں بھی مفعول مخدوف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آیت «فَلَا تَسْمَعُونَ لَهُ» (القصص) اور «فَلَا تُبَصِّرُونَ» (القصص) اور «فَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ أَنَّدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ» (البقرة) میں ہے۔

(xviii) حال کا حذف: اس کی مثال قرآن کی درج ذیل آیت ہے:

«وَالْمَلِئَكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَمٌ عَلَيْكُمْ»

(الرعد: ٤٢)

”اور فرشتے ان پر ہر دروازے سے داخل ہوں گے (یہ کہتے ہوئے کہ) سلام ہو تم پر۔“

اس آیت میں قائلینَ، حال مخدوف ہے۔ اسی طرح آیت مبارکہ «تَنْزَلُ عَلَيْهِمُ الْمَلِئَكَةُ أَنَّ لَا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا» (ختم السجدة: ٣٠) کی تقدیر عبارت تَنْزَلُ عَلَيْهِمُ الْمَلِئَكَةُ

فَالْلَّهُمَّ أَنْ لَا تَخْعَلُونَا وَلَا تَحْزَنُونَا، ہے۔

(xix) حرف ندا کا حذف: یہ قرآن میں بہت زیادہ ہے۔ اس کی مثال درج ذیل آیت ہے:

﴿قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (الزمر: ۴۶)

”کہہ دینجئے: اے اللہ! (اے) زمین و آسمان کے پیدا کرنوالے۔“

اس آیت مبارکہ میں یاً، حرف ندا محفوظ ہے۔ اسی طرح ﴿يُوسُفُ أَغْرِضُ عَنْ هَذَا﴾ (یوسف: ۲۹) میں بھی یاً، حرف ندا محفوظ ہے۔

(xx) منادی کا حذف: اس کی مثال درج ذیل آیت کریمہ ہے:

﴿وَقَوْلُ يَلِيلَتِي لَمْ اشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا﴾ (الکھف)

”اور وہ شخص کہہ گا اے (قوم) کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی ایک کو بھی شریک نہ کرتا!“

عموماً قرآن مجید میں یا لیت کی یا کے بعد منادی محفوظ ہوتا ہے، جیسا کہ اس آیت میں یا کے بعد قوم منادی محفوظ ہے۔

(xxi) منادی مضاف کی یاء کا حذف: قرآن میں یہ حذف بہت زیادہ ہے۔ اس کی مثال قرآن کی درج ذیل آیت ہے:

﴿قَالَ يَقُولُمْ أَعْبُدُوا اللَّهَ﴾ (الاعراف)

”اس (حضرت وودیعت) نے کہا: اے میری قوم! تم سب اللہ کی عبادت کرو۔“

اس آیت مبارکہ میں یقُولُمْ دراصل یقُومی تھا جس میں یاء کو حذف کر دیا گیا ہے۔ بعض اوقات یاء متكلم کے ساتھ ساتھ حرف ندا بھی محفوظ ہوتا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةَ وَمِنْ ذُرْقَنِي فَ﴾ (ابراهیم: ۴۰)

”(اے میرے) رب! مجھے نماز کا پابند بنا اور میری اولاد کو۔“

اس آیت میں رب، اصل میں یا ربی تھا جس میں حرف ندا یاء اور یاء متكلم کو حذف کر دیا گیا ہے۔

(xxii) شرط کا حذف: اس کی مثال قرآن کی درج ذیل آیت ہے:

﴿فَلِمْ تَقْتُلُونَ النَّبِيَّ إِنَّ اللَّهَ مِنْ قَبْلِ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ (البقرة: ٢٣)

”آپ کہہ دیجیے: پس تم کیوں اللہ کے نبیوں کو اس سے پہلے قتل کرتے رہے ہو اگر تم موسمن ہو؟“

اس آیت میں شرط مذوف ہے اور اس کی تقدیر عبارت ”إِنْ كُنْتُمْ أَمْتُمْ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكُمْ فَلِمْ تَقْتُلُونَ النَّبِيَّ إِنَّ اللَّهَ مِنْ قَبْلِ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ فَلِمْ فَعَلْتُمْ“ ہے۔ اس آیت میں شرط اور جواب شرط کو دوبار بیان کیا گیا ہے تاکہ تاکید کا فائدہ حاصل ہو۔ پہلے جملے میں شرط مذوف ہے جبکہ دوسرے جملے میں جواب شرط مذوف ہے۔ اسی طرح آیت ﴿فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ﴾ (الشوری: ٩) کی تقدیر عبارت ”إِنْ أَرَادُوا أُولَيَاءَ اللَّهِ هُوَ الْوَلِيُّ بِالْحَقِّ“ ہے۔ علامہ مختصری نے آیت ﴿فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ﴾ (البقرة: ٨٠) کو اسی نوع میں شمار کیا ہے جس کی تقدیر عبارت ”إِنِّي أَنَّهَدْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ“ ہے۔

(xxiii) جواب شرط کا حذف: اس کی مثال قرآن کی درج ذیل آیت ہے:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةً وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (النور)

”اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی (تو وہ لازماً تم کو عذاب دیتا) اور اللہ تعالیٰ میریان رحم کرنے والا ہے۔“

اس آیت مبارکہ کی تقدیر عبارت ”وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةً لَعَذَابُكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ“ ہے۔ اسی طرح آیت ﴿وَلَوْلَا أَنْ رَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ﴾ (القصص: ١٠) کی تقدیر عبارت ”وَلَوْلَا أَنْ رَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ لَأَبْدَأَتْ بِهِ“ ہے۔ آیت ﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٍ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَكْنُوُهُمْ﴾ (الفتح: ٢٥) کی تقدیر عبارت ”وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٍ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَكْنُوُهُمْ لَسْلَطْكُمْ عَلَى أَهْلِ مَعْكَةَ“ ہے۔

(xxiv) جواب فعل کا حذف: اس کی مثال قرآن کی درج ذیل آیت ہے:

﴿إِذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِإِيمَانِهِمْ فَدَمَرْنَاهُمْ﴾ (الفرقان: ٣٦)

”تم دونوں جاؤ اس قوم کی طرف جس نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا، پس ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔“

اس آیت میں ﴿إِذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِإِيمَانِهِمْ﴾ فعل ہے، جس کا جواب ”فَذَهَبَا إِلَيْهِمْ فَكَذَبُوهُمَا“ مذوف ہے۔

(xxv) 'لَوْ' اور 'لَوْلَا' کے جواب کا حذف: اس کی مثال قرآن کی درج ذیل آیت ہے:

«وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ فُطِّقَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ
الْمَوْتَىٰ بِهِلْ لِلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا» (الرعد: ۳۱)

"اور اگر قرآن سے پھاڑ چلائے جاتے یا اس سے زمین کاٹ دی جاتی یا اس سے مردے کلام کرتے (تو بھی وہ اس پر ایمان نہ لاتے)" بلکہ اللہ ہی کے لیے تمام کا تمام معاملہ ہے۔"

اس آیت میں 'لَوْ' کا جواب مخدوف ہے اور آیت کی تقدیر عبارت 'وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ
الْجِبَالُ أَوْ فُطِّقَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ لَمَا افْتَوْا بِهِ' ہے۔ اسی طرح آیت
«وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وَقْفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ» (الانعام: ۳۰) اور «وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ
عِنْدَ رَبِّهِمْ» (سبا: ۳۱) اور «وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ
وُجُوهَهُمْ» (الانفال: ۵۰) اور «وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ الْمُسْمَرُونَ نَأْكُسُوا رُءُوسَهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ» (السجدة: ۱۲) اور «وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ الظَّالِمُونَ فِي خَمَرَاتِ الْمَوْتِ»
(الانعام: ۹۳) کے بعد 'لَوْ' کا جواب 'لَرَأَيْتَ عَجَابًا' یا 'لَرَأَيْتَ سُوءً
مُنْقَلِبِهِمْ' یا 'لَرَأَيْتَ سُوءً حَالِهِمْ' مخدوف ہے۔ آیت 'وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ
أَلْفَامٌ وَالْبَحْرُ يَمْدُدُهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ' (لقمان: ۲۷) میں
بھی جواب 'لَوْ' مخدوف ہے اور اس آیت کی تقدیر عبارت 'وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ
شَجَرَةٍ أَلْفَامٌ وَالْبَحْرُ يَمْدُدُهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ نَفِدَتْ هَلِيهِ الْأَشْيَاءُ وَمَا نَفِدَتْ
كَلِمَاتُ اللَّهِ' ہے۔ آیت '(وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى مِنْهُمْ أَنْ
يُضْلُلُوكُمْ' (النساء: ۱۱۳) میں 'لَهُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضْلُلُوكُمْ' جواب 'لَوْ' نہیں ہے،
کیونکہ اگر اس کو 'لَوْ' کا جواب نہیں تو آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ منافقین نے آپ کو سیدھے
راستے سے ہٹانے کا ارادہ نہیں کیا، حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ انہوں نے ایسا ارادہ کیا
تھا۔ اس آیت کی تقدیر عبارت 'لَهُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضْلُلُوكُمْ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ وَرَحْمَةُ
اللَّهِ لَا يُضْلُلُوكُمْ' ہے۔ آیت '(لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُفُونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارِ'
(الأنبياء: ۳۹) کے بعد 'لَوْ' کا جواب 'لَعْلَمُوا صِدْقَ الْوَعْدِ' یا 'لَمَا اسْتَعْجَلُوا' مخدوف
ہے۔ آیت '(لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ)' (التکاث) کے بعد 'لَوْ' کا جواب 'لَرَجَعُوكُمْ عَنْ

سُكُونُکُمْ يَا لَمَّا أَهَاكُمُ التَّكَاثُرُ مَذْوَفٌ هے۔ آیت (أَوْ لَوْ كَانَ أَبَاوْهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا) (البقرة: ١٧٠) کے بعد لتو“ کا جواب لا يَعْقِلُونَهم“ مذوف ہے۔ آیت (لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ زَوْج) (القصص: ٦٤) کے بعد فی الْكُلْيَا لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ يَا لَمَّا اتَّبَعُوهُمْ مَذْوَفٌ ہے۔ آیت (لَوْ أَنْ لَيْ بَكُّمْ قُوَّةً) (مود: ٨٠) کے بعد لِعْلَتْ بَيْنُكُمْ وَبَيْنَ الْمُعْصِيَةِ مَذْوَفٌ ہے۔ آیت (وَتَوْ لَا تَعْذِلُ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةً وَأَنَّ اللَّهَ تَوَابٌ حَكِيمٌ) (النور) میں لتو“ کا جواب لَهُمْكُمْ يَا لَمَّا يَصْلُحُ أَمْرُكُمْ مَذْوَفٌ ہے۔ آیت (وَلَوْلَا أَنْ تُصِيبُهُمْ مُّعِصِيَةٌ بِمَا كَلَّمْتُ أَيْدِيهِمْ لَكُوْلُوا رَبَّنَا لَوْ لَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَتَبَيَّنَ لِلنَّاسِ) (القصص: ٤٧) کے بعد اس کا جواب لِعَاجِلَنَا هُمْ بِالْعُقُوبَةِ مَذْوَفٌ ہے۔ بعض اوقات قرآن میں ادا‘ کا جواب بھی مذوف ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت (وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ) (بیس) کے بعد اغْرِضُوا مَذْوَفٌ ہے۔ آیت (فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَهُمْ مُّعِصِيَةٌ بِمَا كَلَّمْتُ أَيْدِيهِمْ) (النساء: ٦٢) میں کیف“ کے بعد لِجَلِّونَهُمْ مَسْرُورُونَ مَذْوَفٌ ہے جس کی وجہ سے ادا‘ کے جواب کی ضرورت نہیں رہی۔

(xxvi) جواب قسم کا حذف: اس کی مثال درج ذیل آیات مبارکہ ہیں:

(وَالنِّزِّيلُتْ غَرْقاً ① وَالنِّشْطَتِ نَشْطاً ② وَالسِّلْحَتِ سَبْحاً ③ فَالسِّبْقَتِ سَبْقاً ④ فَالْمُنْتَهَياتِ أَمْرًا ⑤) (الثرثت)

”قسم ہے کچپنے والے فرشتوں کی، آسانی سے گردھ کھولنے والوں کی قسم، اچھی طرح تیرنے والوں کی قسم (کسی حکم کے پورا کرنے میں) سبقت لے جانے والوں کی قسم، پس معاملے کی تدبیر کرنے والوں کی قسم!“

ان آیات مبارکہ کے بعد جواب قسم ”لَكُبْعَثُنَ“ مَذْوَفٌ ہے۔

(xxvii) مکمل جملے کا حذف: یہ حذف بھی قرآن میں بہت زیادہ ہے۔ اس کی ایک مثال درج ذیل آیت ہے:

»أَنْبِنُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ قَارُسُلُونَ ⑥ يُوْسُفُ أَلْيَهَا الصِّدِّيقُ ⑦« (یوسف: ٤٥، ٤٦)

”میں تم کو اس کی تاویل بتاؤں گا، پس مجھے سمجھو اے پچے یوسف!“

اس آیت کی تقدیر عبارت ”أَنْبِنُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ قَارُسُلُونَ إِلَى يُوْسُفَ لَامْتَعَبْرَةُ الرُّؤْيَا“

فَأَرْسَلْنَاهُ إِلَيْهِ ذَلِكَ كِتَابًا لَّهُ يَا يُوسُفُ أَتَيْهَا الصِّدِيقُ، ہے۔

(xxviii) قول کا حذف: اس کی مثال درج ذیل آیت ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمُنْزَلَ وَالسَّلْوَىٰ ۖ ۖ كُلُوا﴾ (طہ: ۸۱، ۸۰) (81, 80)

”اور ہم نے تم پر من و سلوی نازل کیا (اور ہم نے کہا) تم کھاؤ۔“

اس آیت کی تقدیر عبارت ”وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمُنْزَلَ وَالسَّلْوَىٰ وَقُلْنَا كُلُوا“ ہے۔

(xxix) فعل کا حذف: اس کی مثال قرآن کی درج ذیل آیت ہے:

﴿وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهَتَّدُوا ۖ قُلْ بَلْ مَلَةُ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾ (آل عمران: ۱۳۵) (Al Imran: 135)

”اور انہوں نے کہا تم ہو جاؤ یہودی یا عیسائی تو راہ پا جاؤ گے۔ آپ کہہ دیں: ملکہ (ہم ہیروی کرتے ہیں) ابراہیم کے دین کی جو یکسو قتے۔“

اس آیت کی تقدیر عبارت ”وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهَتَّدُوا قُلْ بَلْ نَسْبُ مَلَةُ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا“ ہے۔

(xxx) لام امر کا حذف: اس کی مثال درج ذیل آیت کریمہ ہے:

﴿قُلْ لِعَبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقْيِمُوا الصَّلَاةَ﴾ (ابراهیم: ۲۱) (Ibrahim: 21)

”آپ میرے ان بندوں کو کہہ دیں جو ایمان لائے کر انہیں نماز قائم کرنی چاہیے۔“

”يُقْيِمُوا، اصل میں ”يُقْيِمُوا“ ہے۔ لام امر مخدوف ہے۔

اس کے علاوہ بھی حذف کی کچھ اقسام ہیں، لیکن ہم انہی کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

قرآن کے طلبہ کے لیے محدود قاتر آنی کا علم حاصل کرنے کے لیے امام سیوطی اور امام محلیؒ کی منظر تفسیر ”تفسیر جلالین“ بہت مفید رہے گی۔



محترم ڈاکٹر اسرار احمد حظہ اللہ کے مکمل دورہ ترجمہ قرآن اور دروس و خطابات کے علاوہ تلاوت قرآن، کتب احادیث کے تراجم، میثاق، حکمت قرآن اور ندایے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے، اردو اور انگریزی کتب، کیسٹ، سی ڈیز، اور مطبوعات کی مکمل فہرست ہماری ویب سائٹ پر ملاحظہ کیجیے!

اسلام اور فنِ تعمیر (۲)

مرزا عمران حیدر *

ساجد کی آرائش و زیارت

”مَسْجِدُ“ سَجَدَ يَسْجُدُ (نَصَرَ يَنْصُرُ) سے اسم ظرف مکان کا صیغہ ہے، جس کا مطلب ہے سجدہ کرنے کی جگہ۔ اصطلاح میں مسجد اس جگہ کو کہتے ہیں جسے سجدہ کرنے (نماز پڑھنے) کے لیے خاص کر دیا گیا ہو۔

اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں عبادت کے لیے مخصوص جگہ کا تصور ہے۔ مذہبی رسومات، کی ادائیگی ان معبد خانوں میں ہی ہو سکتی ہے۔ اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں عبادت اور نماز کی ادائیگی کے لیے عبادت گاہ یعنی مسجد میں جانے کی شرط نہیں اور نہ ہی کسی مخصوص بیت کی عمارت بنانا ضروری ہے۔ پوری زمین عی مسلمانوں کی مسجد ہے۔ جہاں پاک صاف جگہ دیکھی وہیں نماز شروع کر دی۔ فرمان نبوی ہے:

((أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يَعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِيْ وَجَعَلْتُ لِيَ الْأَرْضَ مَسْجِدًا وَطَهُورًا وَإِنَّمَا رَجُلٌ مِنْ أُمَّتِي أَذْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلَدِيْصِلِّ)) (۱۹)

”بھے پانچ اسکی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں: (ان میں سے ایک) میرے لیے پوری زمین کو مسجد اور پاک بنادیا گیا ہے۔ میری امت میں سے جس آدمی پر نماز کا وقت ہو جائے اسے چاہیے کہ وہ (کسی پاک صاف جگہ پر) نماز ادا کر لے۔“

مسجد کی تعمیر کی فضیلت کو پیش نظر رکھتے ہوئے آج ہر مسلمان مسجد کی تعمیر میں حب استطاعت حصہ ڈالنے کو اپنے لیے سعادت اور اپنا فرض سمجھتا ہے۔ یہ بڑی مبارک سوچ ہے۔

دین داری اور اسلام سے وابستگی کے جذبے سے جب مسجد کی تعمیر شروع ہوتی ہے تو ہر مسلمان خدا کی خدمت گار بنتے ہوئے دائے درے، نجف اس میں حصہ ڈالتا ہے۔ یقیناً ہر مسلمان خلوص اور نیکی کے جذبے سے ایسا کرتا ہے۔ بہترین مشوروں کی روشنی میں جو عالی شان مسجد تعمیر ہوتی ہے وہ دیکھنے سے قلع رکھتی ہے۔ اس تعمیر ہونے والی مسجد کی انتظامیہ یہ چاہتی ہے کہ ہماری مسجد دیگر مساجد سے ہر پہلو سے بہتر ہو۔ اس طرح نیکی کے جذبے سے ایسی مسابقت پیدا ہو جاتی ہے جس کی کوئی انہانیں ہے۔ لیکن بہتری کی دوڑ میں شرکت کرتے ہوئے ہم ان تعلیمات کو نظر انداز کرنا شروع کر دیتے ہیں جن کا شارع علیہ السلام نے ہمیں پابند بنایا ہے۔ لہذا آج کثرت سے ایسی مساجد نظر آتی ہیں جن کی پر شکوہ عمارت قابل دید ہوتی ہیں۔ بڑی بڑی عمارت، وسیع و عریض صحن، رنگ روغن کا بے دریغ استعمال، ناکلوں اور پتھروں کا کثیر استعمال، وضوخانے اور بیت الخلاء کی تزئین پر بے تحاشا خرچ اور پھر مسجد کی قبلے کی جانب دیوار پر پھول بولٹے، شنیشے اور ڈیکوریشن کے مختلف انداز اختیار کیے جاتے ہیں۔ بسا اوقات خاص موقعوں پر کئی کئی دن کے لیے چھتوں کو باقاعدہ سجا یا جاتا ہے۔ یہ عموماً وہ صورت حال ہے جو ہمیں اپنے گرد و پیش میں نظر آتی ہے۔ جبکہ حضرت انس بن مالک رض بیان کرتے ہیں:

کَانَ قِرَامُ لِعَائِشَةَ مَسْرَتُ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((أَمِيطُ عَنَّا

قِرَامِكَ هَذَا فِإِنَّهُ لَا تَرَالْ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ فِي صَلَاتِي)) (۱۰)

”حضرت عائشہ رض کے پاس ایک پر وہ تھا جس کے ساتھ انہوں نے اپنے گھر کی ایک جانب کو ڈھانپ رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھ سے اپنا یہ پر وہ دور کر لوا اس کی تصاویر مسلسل میری نماز میں خلل ڈال رہی ہیں۔“

ایک طرف یہ حدیث ہے اور دوسری طرف ہمارا عمل ہے کہ سامنے کی دیوار کی خوبصورتی پر ہم سارا زور لگادیتے ہیں۔ شنیشے تیل بولٹے، نقش و نگار، بہترین ٹائل میں اور تراشے ہوئے پتھر نظر آتے ہیں۔ کپڑے پر بنی ہوئی تصاویر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں خلل واقع ہوا تو ہماری نمازوں کا کیا بنتا ہوگا؟ اکثر دیشتر پہلی صفحہ میں کھڑے نمازی شنیشے میں اپنا حلیہ سنوارتے یا نقش و نگار میں مشغول نظر آتے ہیں۔

بھلائی اور خیرخواہی کے جذبے سے کام کرنے والے جب اپنی عظیم الشان مسجد دیکھتے ہیں تو ان کے اندر رفرحت و انبساط کے ساتھ ساتھ فخر و غرور پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر اپنی مسجد اچھی اور دوسروں کی بری لگنے لگتی ہے۔ فخر و تکبر کا یہ احساس دل سے سفر کرتا ہوا نوکر زبان

پر آ جاتا ہے۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو دوسروں کے مقابلے میں اپنی مسجد کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ نیکی کے جذبے سے اسراف و تکبر کی جو غلطیاں ان سے سرزد ہو رہی ہیں اس کے احساس سے وہ لوگ عاری ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بیان کی ہوئی پیشین گوئی آج حرف بحر فوج دھماقی دیتی ہے اور اسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّىٰ يَتَكَبَّهِ النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ))^(۲۱)

”قیامت قائم نہیں ہو گی یہاں تک کہ لوگ مساجد کے بارے میں ایک دوسرے پر خنزیر نے لگ جائیں گے۔“

اس حدیث کی شرح میں صاحب عنون المعبود فرماتے ہیں:

ای یتفاخر فی شانها او بنا نہایا یعنی یتفاخر کل احمد بمسجدہ و یقول
مسجدی ارفع او ازین او احسن ریاء و سمعہ و اجتلاباً للمدحہ قال
ابن رسلان هذا الحديث فيه معجزة ظاهرة لأخباره صلى الله عليه
وسلم عما سبق بعده فان تزويق المساجد والمباهة بزخرفها كثر
من الملوك والامراء في هذا الزمان بالقاهرة والشام وبيت المقدس
باخذهم اموال الناس ظلماً وعمارتهم بها المدارس على شكل بدیع
نسأل الله السلامة والعافية^(۲۲)

”مسجد کی شان اور تعمیر میں باہم فخر کریں گے، یعنی ہر ایک اپنی مسجد کے ساتھ فخر کرے گا اور کہے گا میری مسجد زیادہ بلند یا زیادہ خوبصورت یا زیادہ اچھی ہے۔ وہ ریا کاری شہرت اور تعریف سننے کے لیے ایسا کہے گا۔ ابن رسلان نے کہا اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی روایات کے لیے مجبور ہے جو عنقریب واقع ہو گا۔ مساجد کی عمدہ تعمیر اور ان کی خوبصورتی پر فخر کرنا اس زمانے میں بادشاہوں اور امراء کی طرف سے بہت زیادہ ہے۔ قاہرہ شام اور بیت المقدس میں ظلم کے ساتھ لوگوں کے مال لیے جاتے ہیں اور ان سے مدارس کی عجیب و غریب (بکترین) تعمیر کرتے ہیں۔ ہم اللہ سے سلامتی اور حافظت کے طلب گاریں۔“

یہ حدیث ابو داؤد کے علاوہ ابن ماجہ، مسند احمد اور داری میں بھی ہے۔ بخاری شریف کے الفاظ طاحن فرمائیں:

وَقَالَ أَنْسٌ يَتَبَاهُونَ بِهَا لَمْ لَا يَعْمَرُونَهَا إِلَّا قَلِيلًا وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ
لَئِنْ خُرِقَنَّهَا كَمَا زَخَرَفَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى (۲۳)

”حضرت انس نے فرمایا: وہ لوگ ان مسجدوں کے بارے میں باہم خبر کریں گے، پھر وہ
انہیں آباد نہیں رکھیں گے مگر کم ہی۔ اور عبد اللہ بن عباس نے فرمایا: البت تھم ضرور
بالضرور ان (مساجد) کی تزئین کرو گے جیسا کہ یہود و نصاریٰ کیا کرتے تھے۔“

آج خوشنا اور خوبصورت مساجد تو بہت ہیں لیکن نمازیوں سے معمور کم ہی ہیں، بس جمع
کے دن کچھ رونق ہوتی ہے اور وہ بھی خطبہ کے آخری دس پندرہ منٹ کے لیے۔ اور بہت سی
مسجدتو ایسی ہیں جو جمعہ کے دن بھی نمازیوں کی کمی پر نوحہ کنائی نظر آتی ہیں۔ یہود و نصاریٰ
کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ظاہری نیپٹاپ کی ٹکڑی میں ہر بندہ غلطان نظر آتا ہے، لیکن مساجد کی
حقیقی آباد کاری کا درد مسلمانوں کو کم ہی ہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر و ہبیت

مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ مسجد نبوی
کی تعمیر شروع کی۔ اس تعمیر میں صحابہ کرام ﷺ کا جوش و جذبہ اور اشتیاق دیدی تھا۔ حضرت
عمر بن الخطابؓ تھا کہ صحابہ کے مقابلے میں دو دو ایشییں اخاتے تھے۔ اس میں صحابہ کرام ﷺ کے ساتھ
رسول اللہ ﷺ بھی نفس نفس شریک ہوئے۔ آپ ﷺ ایشییں منتقل فرماتے اور ساتھ ہی یہ
کہتے جاتے:

هَذَا الْعِمَالُ لَا جِمَالَ خَيْرٌ هَذَا أَبُو رَبَّنا وَأَطْهَرُ
اللَّهُمَّ إِنَّ الْأَجْرَ أَجْرُ الْآخِرَةِ فَارْحِمْ الْأُنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ (۲۴)
”یہ بوجھ خیر کا بوجھ نہیں ہے۔ ہمارے پور دکار کی قسم! یہ زیادہ نیک اور پاکیزہ
ہے۔ اے اللہ! اصل اجر تو آخرت کا اجر ہے، پس تو انصار اور مهاجرین پر اپنی رحمتی
نازل فرماء!

اس جذبے اور ولے سے جو مسجد تعمیر ہوئی اب اس کا نقشہ ملاحظہ فرمائیں:
” دروازے کے بازوں کے دونوں پائے پتھر کے بنائے گئے۔ دیواریں بھی ایسٹ اور
گارے سے بنائی گئیں۔ چھت پر سمجھور کی شاخیں اور پتے ڈلوائے گئے اور سمجھور کے تنوں
کے کھبے بنادیے گئے۔ زمین پر ریت اور چھوٹی چھوٹی سکنریاں بچا دی گئیں۔ تین

دروازے کاٹے گئے، قبلے کی دیوار سے بچھلی دیوار تک ایک سو ہاتھ لبائی تھی۔ چوڑائی بھی اتنی یا اس سے کچھ کم تھی۔ بنیاد تقریباً تین ہاتھ گہری تھی۔^(۲۰)

سو ہاتھ لبی اس مسجد نبوی کے تین دروازے ہیں۔ دیواریں بھی ایتوں کی ہیں اور ستونوں کی جگہ کھجور کے تنے ہیں۔ چھت پر کھجور کی شاخیں اور پتے ڈالے گئے ہیں۔ فرش کے طور پر باریک کنکریاں بچھی ہیں۔ چھت اُسکی ہے جو بارش کے پانی کو بھی پوری طرح روکنے سے قادر ہے۔ حضرت ابوسعید خدری صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:

فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالْطَّينِ ، قَالَ حَتَّىٰ رَأَيْتُ أَنَّ
الْطَّينَ فِي جَبَهَتِهِ^(۲۱)

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کو پانی اور مرٹی میں سجدہ کرتے دیکھا، یہاں تک کہ میں نے کچھ رکنا شان آپ کی پیشانی سمارک پر دیکھا۔“

اس تعمیری ڈھانچے کا نام مسجد نبوی ہے۔ فن تعمیر کے اس شاہکار اور مرکز میں بینچہ کر مسلمانوں نے ایمان و جرأت اور کامیابیوں کی وہ تاریخ رقم کی جس کی تفصیلات بیان کرنے کے لیے تاریخ کی کتب بھری پڑی ہیں۔ پہنچتی چھت والی اس مسجد کی تعمیر کامل تھی اور اس کے آبادکاروں کو کسی قسم کے احساس محرومی کا سامنا نہ تھا، بلکہ وہ تو ایمان و یقین کا منع تھے اور اسی مسجد میں طے کردہ پالیسیوں کی روشنی میں ایک دنیا پر اسلام کا علم لہرار ہاتھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کے مکان کی کیفیت

ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام سے پہلے حضرت ابواب انصاری صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کے گھر میں نہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام نے آتے ہی مسجد نبوی کی تعمیر کا کام کیا۔ مسجد نبوی کی تعمیل کے ساتھ ہی مسجد سے متصل آپ کی رہائش کے لیے گھر بنایا گیا۔ آمہات المؤمنین اس گھر کے مجردوں میں قیام پذیر تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کی وفات مجرۂ عاشش میں ہوئی۔ وہیں آپ کو پر و خاک کیا گیا۔ آپ کے رہائش کمرے کی لمبائی چوڑائی کا آج بھی جا کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک تعمیرات کے سلسلے میں بڑا معروف رہا۔ اس نے ان مجردوں کو نئی تعمیرات کے لیے منہدم کرنے کا حکم دیا۔ عبد اللہ بن زید نے ان مجردوں کی تفصیلات بیان کی ہیں جن کے مطابق یہ کل نوجھے تھے، ان میں سے چار مجرے بھی ایتوں سے بنے ہوئے تھے اور پانچ مجردوں کو شاخوں کے ساتھ علیحدہ علیحدہ کیا گیا تھا۔ تین ہاتھ لبے اور تین ہاتھ چوڑے کمبل دروازوں پر

(ڈالے گئے تھے۔ کھڑے ہو کر ہاتھ انٹھایا جائے تو تقریباً اتنی ہی اوپنی چھت تھی۔) (۲۷)

امہات المؤمنین نے ان سادہ سے مجرموں میں ساری زندگی گزار دی۔ مسلمان ایک دنیا کو فتح کر چکے تھے، وسائل کی کوئی کمی نہ تھی۔ ہر خلیفہ امہات المؤمنین کی خدمت کو سعادت سمجھتے ہوئے ان کے حضور تھائے بھیجا رہا، لیکن ہماری ان ماؤں میں سے کسی مان نے بھی تعمیر و تزیین کی پروانہ کی اور حاصل ہونے والی رقوم دیکھ راصلی اور رفاقت کاموں پر خرچ کر دیں۔ اگر مسلمان ان مجرموں کے سونے چاندی کے دروازے کے کنٹا چاہتے تو انہیں کوئی کمی نہ تھی، لیکن اسلامی تربیت کے پیش نظر نہ تو کسی کے ذہن میں ایسی بات آئی اور نہ ہی کسی نے اس کا اظہار کیا۔

تعمیرات کا تمدنی ارتقاء

رسول اللہ ﷺ کے دور کی مساجد اور گھروں کی کیفیت دیکھ کر یا تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت وسائل ہی بیکی تھے اس سے بڑھ کر اگر کوئی سوچتا تو اس کے پاس وسائل موجود نہیں تھے، لیکن اب تو تعمیرات کے میدان میں بے شمار چیزیں ایجاد ہو چکی ہیں اور وہ ہماری چیخوں میں بھی ہیں، لہذا ان سے استفادہ کرنا چاہیے۔ مزید یہ کہ موجودہ دور میں رسول اللہ ﷺ کے دور کی تعمیراتی کیفیت کے ساتھ رہنا محال ہے۔ یا پھر اس کے بر عکس یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ اسلام آج بھی مسلمانوں کو اسی طرح کے کچے گھروں میں رہتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے اور ترک دنیا کا درس دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ہمیں جو وسائل دستیاب ہیں رسول اللہ ﷺ کے دور میں ان کا تصور بھی محال تھا، اور ان وسائل کے استعمال کے جواز میں کوئی دوسری رائے بھی نہیں ہے، لیکن ہمیں انداز تعمیر میں ارتقاء کا صحیح تصور بھی صحابہ کرام ﷺ کی زندگیوں سے ملتا ہے۔

امام بخاری نے باب قائم کیا ہے: بَابُ بُنْيَانِ الْمَسْجِدِ وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ كَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ مِنْ جَرْبِهِ النَّخْلُ وَأَعْمَرَ عُمْرًا بِيَنَاءِ الْمَسْجِدِ وَقَالَ أَكِنَّ النَّاسَ مِنَ الْمَعْطَرِ..... (۲۸) ” یہ باب ہے مسجد بنانے کے بارے میں۔ ابوسعید نے کہا مسجد کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنی تھی اور حضرت عمرؓ نے مسجد بنانے کا حکم دیا اور فرمایا میں لوگوں کو پارش سے پچاتا ہوں،“ حضرت نافع ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے انہیں خردی کہ: آنَ الْمَسْجَدَ كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَبْنِيًّا بِاللَّبَنِ وَمَسْقُفَةً الْجَرْبِيًّدَ وَعَمْدَةً خَشْبُ النَّخْلِ، فَلَمْ يَزِدْ فِيهِ أَبُو سَعِيدٍ شَيْئًا وَرَأَدَ فِيهِ

عُمَرُ وَبَنَاهُ عَلَى بُنْيَانِهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَعْدَادُ عُمَدَةَ خَشَبًا ثُمَّ غَيْرَهُ عُشَمَانُ فَزَادَ فِيهِ زِيَادَةً كَثِيرَةً وَبَنَى جَذَارَةً بِالْحِجَارَةِ الْمَنْقُوشَةِ وَالْقَصْبَةِ وَجَعَلَ عُمَدَةَ مِنْ حِجَارَةٍ مَنْقُوشَةٍ وَسَقَفَةً بِالسَّاجِ^(۲۹)

”رسول اللہ ﷺ کے دور میں مسجد ایشوں کی بنی ہوئی تھی، چھت شہبیوں کی تھی، ستون سمجھور کی لکڑی کے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس میں کچھ بھی اضافہ نہیں کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس (کے جم) میں اضافہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کے دور کی بنیادوں پر ہی اسے اینٹ اور شہبیوں کے ساتھ بناایا اور ستون دوبارہ دیے ہی (سمجھور کی) لکڑی کے بنائے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اسے تبدیل کر دیا اور اس میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا۔ آپؓ نے اس کی دیواریں منقوش پھروں اور چونے سے بنائیں، ستون منقوش پھروں کے بنائے اور چھت عمدہ ایشوں سے بنائی۔“

رسول اللہ ﷺ کے دور کی مسجد نبویؐ کا تفصیلی خاکہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کسی ترمیم و تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد نبویؐ کی تعمیر و مرمت کا کچھ کام کروا یا لیکن یہ کام رسول اللہ ﷺ کی تعمیر شدہ بنیادوں پر ہی کروایا اور امام بخاری کی مذکورہ بالا وضاحت کے مطابق اس تعمیر و مرمت کا مقصد مسجد کی چھت کے پلکنے کو روکنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں مسجد کی چھت بارش کے پانی سے پیشی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کی اصلاح فرمائی اور مسلمانوں کو ایک سہولت مہیا فرمائی۔ ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے مسجد کی دوبارہ تعمیر کروائی جس میں ہندوستان سے منتش پتھر ملکوں کو لگائے گئے، مسجد کے ربیع میں خاطر خواہ اضافہ کروایا، دیواروں اور ستونوں کو قیمتی پتھر سے تعمیر کروایا، چھت پر بھی عمدہ قسم کی اینٹیں لگائی گئیں۔ سیدنا عثمانؓ کے دور میں دولت کی فراوانی تھی، مسلمان مالی طور پر متحكم اور خوش حال تھے۔ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو چکا تھا۔ مسجد کی توسعیج ان کی ایک ضرورت تھی۔ ان حالات میں حضرت عثمانؓ نے مسجد بنانے کی فضیلت بیان کی اور اسی بنیاد پر زکر کیسر صرف کر کے عمدہ اور عالی شان مسجد تعمیر کر لی۔ ہمیں حضرت عثمانؓ کی اس تعمیر میں بظاہر کوئی اسراف اور بہت زیادہ نہود و نمائش نظر نہیں آ رہی، لیکن اس کے باوجود واس اندراز تعمیر کو صحابہ کرام ﷺ نے تاپسند جانا اور حضرت عثمانؓ کے اس عمل کا انکار کیا۔ امن مجرم نے اس حدیث کی شرح میں یوں وضاحت فرمائی ہے:

ثُمَّ كَانَ عُثْمَانَ وَالْمَالَ فِي زَمَانَهُ أَكْثَرُ فَحْسِبَهُ بِمَا لَا يَقْتَضِي الزُّخْرُفَهُ

وَمَعَ ذَلِكَ فَقَدْ انْكَرَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ عَلَيْهِ^(٣)

”پھر حضرت عثمانؑ کا آدھر آیا۔ ان کے زمانے میں مال زیادہ ہو گیا، ان کے لیے اتنا ہی کافی تھا جو اگر چہ ملٹھ کاری (سودونماش) کو نہ پہنچتا تھا لیکن اس کے باوجود بعض صحابہ کرامؓ نے ان (کے اس کام) کا انکار کیا۔“

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی جس انداز میں تربیت فرمائی تھی اسی نبوی تربیت کے زیر اڑوہ سمجھتے تھے کہ تعمیرات پر اس قدر رقم خرچ کرنے کی چدائی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اسراف نہیں کیا تھا اور نہیں ان کا انداز شاہانہ تھا، لیکن مسجد نبویؓ کے اس طرز تعمیر کو صحابہ کرامؓ متناسب نہیں سمجھتے تھے اسی لیے انہوں نے حضرت عثمانؓ کو نوکا۔ ان کے مقابلے میں حضرت عثمانؓ نہیں تعمیر مسجد کی احادیث سن کر یہ باور کرتے تھے کہ میں بھی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر یہ کام کر کے اس فضیلت کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اب اندازہ فرمائیے کہ حضرت عثمانؓ کی تعمیر کردہ مسجد نبویؓ کے مقابلے میں ہماری ان تعمیرات کے بارے میں صحابہ کرامؓ کا کیا رذ عمل ہوگا!

ولید بن عبد الملک کے دور کی تعمیرات

حضرت عثمانؓ کے دور میں منقوش پتوں کے استعمال سے ایک نئے طرز تعمیر کی بنیاد پڑی اور پھر یہ طرز تعمیر ترقی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ولید بن عبد الملک کے دور میں بام عروج کو پہنچ گیا۔ ولید تعمیرات کا شو Quinn تھا۔ اس نے ایسی عمارت تعمیر کروائیں جنہیں دیکھنے کے لیے لوگ دور دراز سے آتے تھے۔ ایک زمانہ ان کی تعمیرات کا مذاہ تھا۔ ان میں سے ہم صرف دو نوئے ہم آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

مسجد نبویؓ: ۸۸ ہجری میں ولید بن عبد الملک نے مدینہ کے گورنر عمر بن عبد العزیزؓ کو مسجد نبویؓ کی تعمیر نو کا حکم دیا۔ معاونت کے لیے قصر روم کو لکھا تو اس نے جواب میں ایک لاکھ مشقال سونا، چالیس گھنٹے مبت کاری کا سامان مدائی سے نقش و نگار کا سامان اور بہت سے کاریگر بیجے۔ صرف قبل زرخ کی دیوار اور اس کے طلاقی کام پر پینٹا لیس ہزار اشرفتی خرچ ہوئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ”پوری عمارت پتھر کی تھی، تمام درود دیوار اور پھٹ پر طلاقی کام اور اعلیٰ درجہ کی میانا کاری تھی۔ مسجد سے متعلق ایک فوارہ بھی تعمیر کیا گیا۔ تین سال کے عرصہ میں عمارت تیار ہوئی۔ ۹۱ھ میں

ولید خود اس کے ملاحظہ کے لیے مدینہ گیا۔^(۳۱)

جامع دمشق: جامع دمشق کی شان و شوکت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بعض موئیین کے مطابق اس کی تعمیر پر ملک شام کا پورے سات برس کا خراج صرف ہوا۔ نقد کے حساب سے چھپن لاکھ اشتر فی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ صرف جزیرہ قبرص سے اخبارہ جہازوں پر سوتا اور چاندی آیا تھا۔ بارہ ہزار مردوں کا کام کرتے تھے اور آٹھ یا نو سال کے طویل عرصے میں یہ عمارت تیار ہوئی۔ اس میں بیک وقت میں ہزار افراد ساکتے تھے۔ پوری عمارت سنگ مرمر کی تھی، جس میں مختلف رنگوں کے پتھروں سے بولکمنی پیدا کی گئی تھی، درود یا رپر طلاقی اور لا جوردی کا مام اور مختلف رنگوں کی مبتدت کاری تھی۔ خارجی تر میں آرائش کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف چھ قدمیں سونے کی زنجیروں میں آ دیں اس تھیں۔ یہ عمارت عظمت و شان اور آرائش و زیبائش غرض ہر لحاظ سے اُس دور کے عجائب میں سے تھی اور دنیا کی بڑی عمارتوں میں اس کا پانچواں نمبر تھا۔^(۳۲)

حضرت عمر بن عبد العزیز رض کا دور

ولید بن عبد الملک نے ان عمارتیں کی تعمیر میں بے انتہا دولت اور زمانے بھر کی صناعیاں خرچ کر دی تھیں۔ تعمیرات کا ذوق ایسا تھا کہ اس کے دور میں لوگوں کی گفتگو کا موضوع اکثر تعمیرات ہی ہوتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رض کے دور میں اچھی تعمیر کا شروع ہونے والا ذوق ولید کے دور میں پام عروج سکھنے کا تھا۔ صحابہ کرام رض نے حضرت عثمان رض کے عمل کو پسند نہیں کیا تھا اور ولید کے دور میں چند صحابہ کرام رض ہی باقی رہے تھے۔ ابن حجر کی وضاحت کے مطابق فتنے سے ڈرتے ہوئے وہ خاموش رہے۔ ولید کے بعد سلیمان آئے۔ اس کے بعد جب حضرت عمر بن عبد العزیز رض کا دور آیا تو انہوں نے سر سے پاؤں تک سونے چاندی اور جواہرات میں ڈوبی ہوئی جامع دمشق کو فضول خرچی سمجھا اور اس کی تمام تیاری اشیاء کو نکال کر بیت المال میں جمع کروانے کا ارادہ فرمایا۔ اس وقت روم کے قاصد آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے جامع دمشق کو دیکھ کر کہا "ہم لوگ تو سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا عروج چند روزہ ہے، لیکن اس عمارت کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ مسلمان ایک زندہ رہنے والی قوم ہے"۔ یہ سن کر حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔^(۳۳)

گویا صحابہ کرام رض، علماء اور عمر بن عبد العزیز رض میں سے کوئی بھی تعمیرات پر ہونے

(و) اس خرچ کو درست نہیں سمجھتا۔ بھی کے نزدیک یہ اسراف ہے۔ ان میں سے کچھ فتنے سے ڈرتے ہوئے اور کچھ مصلحت کے تحت خاموش رہے۔ البتہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے عمل سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اسلام کی عظمت کے اظہار اور شعائر اسلام کی شان و شوکت کے لیے ایسی تعمیرات درست ہیں۔ لیکن اس تجزیے کے لیے چار باتوں کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے:

(۱) خلافت کا قیام ہو چکا تھا، جہاد جاری تھا، مسلمان ضروریات دین کو پورا کر چکے تھے۔ بنیادی ذمہ دار یوں سے عہدہ برآ ہونے کے بعد وہ دیگر علوم میں بھی آگے بڑھ رہے تھے۔

(۲) حضرت عمر بن عبد العزیز نے یہ تعمیرات خود نہیں کروائیں بلکہ پہلے سے تعمیر شدہ ان مساجد کی آرائش پر ہونے والے اسراف کو ختم کرنے کا ارادہ کیا، پھر مصلحت کے تحت ایسا کرنے سے باز آگئے۔ مزید یہ کہ آپ نے اسلام کی شان و شوکت کے اظہار کے لیے بھی خود ایسی تعمیرات نہیں کروائیں۔

(۳) اس دور تک ہونے والی تمام تعمیرات صرف مساجد، دینی مرکز اور امور دینیہ کی انجام دہی کے لیے ضروری عمارت پر مشتمل تھیں، جبکہ لہو و لعب، علمتی اور یادگاری عمارت کا وجود مفہود تھا۔ اس وقت تک ہونے والی تعمیرات میں رضاۓ اللہی، نیکی اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنے کا جذبہ کار فرماتھا۔

(۴) حضرت عمر بن عبد العزیز کا ذرورہ بے مثال ذرورہ ہے جس میں غربت کا مکمل خاتمه ہو گیا تھا۔ زکوٰۃ دینے والے تو موجود تھے لینے والے تلاش کرنے پڑتے تھے۔ وہ امن و امان اور معاشی آسودگی کا ذرور تھا۔ زندگی کی بنیادی سہولیات ہر انسان کو میسر تھیں۔ اس معاشی خوشحالی کے دور میں مساجد کی تعمیر میں ہونے والے اسراف کو مصلحت کے تحت ہرداشت کیا گیا تھا۔

ذکورہ بالا باتوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ عمارت کی تعمیر میں بے جا صرف کرنا کسی بھی پہلو سے قابل تائش نہیں ہے۔ جب دینی مرکز کی تعمیر کے حوالے سے یہ بات واضح ہے تو ان سے ہٹ کر کی جانے والی تعمیرات کے جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مقاد عامة اور دیگر ضروری تعمیرات کے جواز کے لیے کچھ دوسرے دلائل ہیں جن پر بعد میں گفتگو ہوگی، ان شاء اللہ۔

مسلمان حکمرانوں کی تغیرات

اس کے بعد ایسا ذور آتا ہے جس میں مسلمان انفرادی اور اجتماعی ہر دو صورتوں میں اپنے مقصد زندگی سے دور ہوتے چلے گئے۔ دین سے ذوری کا یہ رجحان تغیرات سمیت ہر میدان میں پڑھتا ہی چلا گیا۔ اس لیے ہم اسے اسلامی ذور کی بجائے مسلمانوں کے ذور کے طور پر بیان کریں گے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے بعد ایسے حکمران آنے شروع ہوئے جن کی دین داری، علم اور تقویٰ پہلے حکمرانوں جیسا نہ تھا۔ انہوں نے تغیرات میں اسلامی حدود و قیود کا خیال نہ رکھا۔ دولت کی فراوانی، تمود و نمائش کی زندگی اور زیبی اعتبار سے اپنے سے پہلے حکمران سے آگے نکلنے کے جذبے سے لا یعنی اور اسراف پر مشتمل تغیرات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ اسلام نے بنیادی ضرورت کا نظریہ پیش کیا تھا۔ یہ حکمران علاقائی اور گرد نواح کی تہذیب سے متاثر تھے، جس کی وجہ سے یہود و ہندو اور نصاریٰ کی تہذیب اسلامی ممالک کی طرف سفر کرنے لگی۔ ایران کی مجوہیت کا رنگ بھی نمایاں ہونے لگا۔ جہاں تک طرز تغیر کی بات ہے تو اس میں علاقائی ضرورتوں کو مد نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ اظہارِ ذوق کے لیے علاقائی انداز بھی کوئی بری چیز نہیں ہے۔ مثلاً افغانستان میں ہشت پہلو گنبد کاررواج ہے تو بر صیر پاک و ہند میں گول گنبد کا۔ اگر گنبد بنانا درست ثابت ہو جائے تو یہ فرق کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ سوال یہ ہے کہ خود گنبد کی حیثیت کیا ہے؟

اس دور میں نئے نئے شہر آباد کیے گئے اور ان میں وسیع و عریض قلعے، محلات، حمامات، باعثات، تاریخی یادگاریں اور مقبرے تغیر کیے گئے۔ یہ سب کچھ اپنے ذوق کے اظہار، اپنی بقاء اور اپنے آپ کو منوانے کے لیے کیا گیا۔ مختلف علاقوں میں ان کی مختلف صورتیں اختیار کی گئیں۔ مثال کے طور پر ہم بر صیر پاک و ہند کو دیکھتے ہیں۔ یہاں پر مسلمان حکمرانوں نے قلعے، باعثات اور کشت سے مقبرے تغیر کیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے عالی شان مساجد بھی بناؤں میں، لیکن ان کی اکثر تغیرات دوسری نوعیت کی ہی تھیں اور ان تمام میں اسراف واضح طور پر نظر آتا ہے۔

مسجد کے بارے میں ہم تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔ اب ذرا مقبروں کا جائزہ لیتے ہیں۔ مقامی ہندو آبادی نے اپنی دیوبیوں اور دیوتاؤں کی مورتیاں اور مندر بنائے جس سے

(نقش کاری، نبیت کاری اور پھروں کی تراش خراش کے فن نے تقویت پکڑی۔ کم و بیش یہی فن مسلمانوں کی تعمیرات میں بھی نظر آنے لگا۔ مسلمانوں نے اپنے صوفیاء کے مزارات اور عاختا ہیں بنائیں۔ اور حکمرانوں نے اپنے اور اپنی بیویوں کے محل نما مقبرے اور ان کے ارد گرد لمبے چوڑے باغات تعمیر کروائے۔ اس طرح ہندو تہذیب کو مسلم تہذیب میں داخلے کا راستہ دیا گیا۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ مسلمانوں نے باہری مسجد اور تاج محل بنایا۔ ا قول الذکر کو ہندوستان کے ہندوؤں نے صفویہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا اور موخر الذکر کو نہ صرف آراستہ و پیراستہ کیا جا رہا ہے بلکہ اس کو عجائب عالم میں شمار کروانے کے لیے راہ ہموار کی جا رہی ہے۔ ہندوؤں کو مسلمانوں کی امتیازی تعمیرات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ تاج محل دراصل مسلمان حکمرانوں کا روشن کارنامہ نہیں بلکہ ان کے ماتھے کا داغ ہے۔ ایک تاج محل ہی کیا، مقبرہ جہاں گیر، مقبرہ آصف جاہ، مقبرہ نور جہاں اور ان گنت مقابر ہمارے گرد و پیش میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حکمرانوں کے بڑے بڑے مقبروں کے ساتھ ساتھ صوفیاء کے مزارات پر بھی رعایا کی بہت محنت اور کمائی صرف ہوئی ہے۔ اور اب تو عام لوگ بھی اپنے بڑوں کی قبروں کو یادگار بنانے کے لیے کئی طرح کے جتن کرتے اور پاپڑ بیلتے ہیں۔

مقابر کے بارے میں دین کی ہدایات

ان قبروں اور مزاروں کا دین کی ہدایات کی روشنی میں جائزہ لیں تو ہمیں حسب ذیل ہدایات ملتی ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ:

نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ مَنْبَذِةً أَنْ يُجَصِّصَ الْقُبُرُ وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُنْبَنِى عَلَيْهِ^(۲۴)
”رسول اللہ ﷺ نے کپی قبر بنانے، اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔“

حضرت جابر بن عبد اللہ سے یہ بھی مردی ہے کہ:

نَهَى النَّبِيُّ مَنْبَذِةً أَنْ تُجَصِّصَ الْقُبُورُ وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهَا وَأَنْ يُنْبَنِى عَلَيْها
وَأَنْ تُوْطَأَ^(۲۵)

”رسول اللہ ﷺ نے کپی قبریں بنانے، اس پر لکھنے عمارت بنانے اور ان پر چلنے پھرنے سے منع فرمایا ہے۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قبر کو پکا کرنا، اس پر عمارت بنانا، اس پر لکھنا، اس پر مجاور بن

کربلہ پر بیان اور بعض روایات کے مطابق ان پر روشی وغیرہ کا انتظام کرنا، ان تمام امور سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ اس پر سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کو پکا کیا گیا ہے اور اس پر عمارت بنائی گئی ہے؟ تو اس کا جواب صحیح بخاری میں موجود ہے۔ حضرت عائشہ زینبیہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی مرض الموت میں فرمایا:

((لَعْنُ اللَّهِ الْيَهُودُ أَتَخْدُوا قُبُورَ أُنْبِيَاءِهِمْ مَسَاجِدًا)) فَالْكُلُّ عَائِشَةٌ لَوْلَا
ذَلِكَ لَأُبُرِزَ قُبُورُهُ خَشِينَ أَنْ يَتَحَدَّ مَسَاجِدًا)) (۳۶)

”اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد گاہ بنالیا۔“

حضرت عائشہ زینبیہ نے فرمایا: اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ ﷺ کی قبر مبارک بھی کھلی چھوڑی جاتی۔ اس بات کا خوف محسوس کیا گیا کہ اسے مسجد گاہ بنالیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کو شرک کے خطرے سے بچتے ہوئے چار دیواری میں رکھا گیا اور اس پر کمرہ تعمیر کیا گیا۔ قبر، قبرستان میں ہی ہونی چاہیے۔ یہ انبیاء ﷺ کا خاصہ ہے کہ جہاں فوت ہوں وہیں دفن ہوتے ہیں۔ عمومی حالات میں رسول اللہ ﷺ نے قبرستان جانے کا حکم دیا تاکہ قبرستان کا منظر دیکھ کر انسان کو اپنی موت یاد آئے اور آخرت کے تصور سے وہ دنیا میں گناہوں کے ارتکاب سے باز آجائے۔ اس مقصد کے بر عکس حکمرانوں نے جو مقبرے بنائے ہیں یا علماء و صوفیاء کے مزارات بن چکے ہیں وہ آخرت کی یاد دلانے کی بجائے دنیاداری کے اظہار کے مرکز یا شرک کے اڈے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے قبر کی بنا نے اور ایک باشت اوپنی اونٹ کی کوہاں کی طرح بنانے کا حکم دیا ہے۔ مسلمان حکمرانوں کی تعمیرات اور مقبرے ان کا اپنا ذوق اور کلپر پیش کیا ہے انہیں اسلامی فن تعمیر قرار دینا کسی طور پر درست نہیں ہے۔ بر صیر پاک وہندی کی طرح ترکی، مصر ایران، عراق، شام وغیرہ میں بھی مسلمان حکمرانوں نے اسی طرح کا تعمیراتی کلپر پیش کیا ہے جس کا اسلام سے دور کا بھی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔ ان تمام فضولیات اور اسرافات کو اسلامی تاریخ کی بجائے مسلمانوں کی تاریخ کا حصہ کہنا زیادہ بہتر ہے۔
(جاری ہے)

حوالی

(۱۹) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب قول النبي ﷺ جعلت لی الارض مساجداً و ظهوراً۔

- (۲۰) صحيح البخاری، 'كتاب الصلاة'، باب ان صلی فی ثوب مصلب او تصاویر هل تفسد صلاته۔
- (۲۱) سنن ابی داؤد، 'كتاب الصلاة'، باب فی بناء المساجد۔
- (۲۲) عون المعبود، 'شرح ابی داؤد'۔
- (۲۳) صحيح البخاری، 'كتاب الصلاة'، باب بنیان المسجد۔
- (۲۴) صحيح البخاری، 'كتاب المناقب'، باب هجرة النبی واصحابه الى المدينة۔
- (۲۵) الرحیق المختوم، مولانا صنفی الرحمن مبارک پوری، ص ۳۰۸۔
- (۲۶) صحيح مسلم، 'كتاب الصيام'، باب فضل ليلة القدر والتحث على طلبها وبيان محلها وارجحی۔
- (۲۷) طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۸۰۔
- (۲۸) صحيح البخاری، 'كتاب الصلاة'، باب بنیان المسجد۔
- (۲۹) صحيح البخاری، 'كتاب الصلاة'، باب بنیان المسجد۔
- (۳۰) فتح الباری۔
- (۳۱) تاریخ اسلام، شاہ معین الدین احمد ندوی، ج ۲، ص ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹۔
- (۳۲) حوالہ و مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے: تاریخ اسلام، شاہ معین الدین احمد ندوی، حصہ دوم، ص ۱۷۸، ۱۷۹۔
- (۳۳) كتاب البلدان، ص ۱۰۸۔
- (۳۴) صحيح مسلم، 'كتاب الجنائز'، باب النهي عن تحصیص القبر۔
- (۳۵) سنن الترمذی، 'كتاب الجنائز عن رسول الله ﷺ'، باب ما جاء في كراهة تحصیص القبور والكتابة عليها۔
- (۳۶) صحيح البخاری، 'كتاب المغازي'، باب مرض النبی ﷺ ووفاته۔

محترم ڈاکٹر احمد حفظ اللہ کے مکمل دورہ ترجمہ قرآن اور دروس و خطابات کے علاوہ تلاوت قرآن، کتب احادیث کے تراجم، میثاق، حکمت قرآن اور نداء خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے، اردو اور گریزی کتب، کیمسٹری، ڈائیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست ہماری ویب سائٹ پر ملاحظہ کیجیے!

کتاب نما

تعارف و تبصرہ کتب

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنوم

(۱)

نام مجلہ : اون

سرپرست اعلیٰ : پروفیسر سہیل افضل

تعلیمی ادارہ : پنجاب کالج آف کامرس لاہور

آرٹ پیپر پر شائع شدہ یہ بھارتی بھر کم رسالہ پنجاب کالج آف کامرس کے طلبہ کی تحقیقی تحریروں پر مشتمل ہے۔ دائیں طرف سے اردو حصہ شروع ہوتا ہے جس میں طلبہ کی نشری کاوشیں بھی ہیں اور شعرو د شاعری بھی۔ اسی طرح باائیں طرف سے شروع ہونے والے حصہ میں انگریزی مضمون بھی ہیں اور نظمیں بھی۔ لائق اور قابل اساتذہ کی راہنمائی میں اکثر تحریریں معیاری، معلوماتی اور مغاید ہیں۔ مزاحیہ تحریروں نے رسالے کو مزید دلچسپ ہادیا ہے۔

پنجاب کالج آف کامرس لاہور کے متاز تعلیمی اداروں میں شمار ہوتا ہے۔ بورڈ اور یونیورسٹی کے امتحانات میں اس کے طلبہ و طالبات ہر سال نمایاں پوزیشنس لیتے اور کالج کی طرف سے لاکھوں کے انعامات حاصل کرتے ہیں۔ تعلیم کے علاوہ کالج میں ہم نصابی سرگرمیاں بھی جوش و خروش سے جاری ہیں۔ اس رسالے میں ان کی با تصویر پورنگ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کالج میں طلبہ و طالبات کی بھرپور تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

رسالے میں پنجاب کالج آف کامرس کے چیئرمین میاں عامر محمود کا انتڑ و یو بھی شامل ہے جس سے محنت اور جدوجہد کا سبق ملتا ہے۔ کالج انتظامیہ کی یہ ایک اچھی کوشش ہے جو نوجوانوں کی ہمہ گیر نشوونما کے لیے ضروری ہے۔ رسالے پر رسالہ اشاعت بھی درج ہوتا تو اچھا ہوتا۔

- ﴿ میڈیا کے نامور سکالر جاوید احمد غامدی کے فکری تقدیمات اور تجدید پسندانہ نظریات کا علمی و تحقیقی تجزیہ ﴾
- ﴿ جاوید احمد غامدی کے پیش کردہ روشن خیال تصور اسلام کا قرآن و سنت کی روشنی میں علمی محکمہ ﴾
- ﴿ جاوید احمد غامدی کے تجدیدانہ نظریات پر منفرد اور مستند کتاب ﴾

فکر غامدی

ایڈ تحقیقی و تجزیائی مطالعہ

نظر ثانی و اضافہ شدہ ایڈیشن

تألیف:

حافظ محمد زبیر

حافظ طاہر اسلام عسکری

شعبہ تحقیق اسلامی، قرآن اکیڈمی لاہور

﴿ معیاری کمپیوٹر کپووزنگ ﴾ * عمده طباعت * صفحات : 168
اشاعت خاص: 75 روپے * اشاعت عام: 45

شائع کردار: مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے مائل ناؤں لاہور۔ فون: 3-5869501

email : maktaba@tanzeem.org

website : www.tanzeem.org